دینی جامعات کے نصاب میں شامل اصولِ حدیث
مختصر اور مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ

مِنْ اطیب المنح
فی
علم المُصطلح

جمع وتالیف الشیخ عبدالکریم المُراد
الشیخ عبدالمُحسن العباد
ترجمہ مُحمد محفوظ اعوان عبدُالمنّان راسخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی جامعات کے نصاب میں شامل اصولِ حدیث

کی مختصر اور مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ

مِنْ اطیب المنح
فی
علمِ المُصطلح

جمع وتالیف

الشیخ عبدُالکریم المُراد

الشیخ عبدُالمُحسن العباد

ترجمہ

محمد محفوظ اعوان — عبدُالمنّان راسخ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

Mob.: 0300- 4826023 ,042-37114650

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خیر جلیس فی الزمان کتاب

من اطیب المنح فی علم المصطلح

مترجم: عبدالمنان راسخ، محمد محفوظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

شیخ الاسلام

بطل حریت

الامام

مجدد

فقیہ امت

احمد ابن تیمیہ رحمتہ اللہ

محمد اشرف جاوید

فہرست

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
10	مقدمة الناشر	1
11	عرض مترجم	2
12	مقدمہ مصطلح الحدیث کی تدوین	3
15	مصطلح الحدیث وموضوعه وغایته	4
15	الحدیث والخبر والأثر	5
16	الحدیث القدسی والفرق بینه وبین القرآن الکریم	6
17	السند والمتن واصطلاحات أخری	7
18	تقسیم الخبر إلی متواتر وآحاد	8
18	تقسیم المتواتر	9
19	شروط المتواتر	10
20	أخبار الأحاد	11
20	تقسیم الأحاد إلی مشهور وعزیز وغریب	12
22	تقسیم الغریب إلی مطلق ونسبی	13
24	تقسیم الأحاد إلی مقبول و مردود	14
24	المقبول وحکمه	15

16	أنواع الخبر المحتف بالقرائن	24
17	تقسيم المقبول إلى صحيح وحسن	25
18	الصحيح لذاته	25
19	مراتب الصحيح	27
20	شرط الشيخين	28
21	الحسن لذاته	28
22	الصحيح لغيره...... الحسن لغيره	29
23	قول الترمذى وغيره: حديث حسن صحيح	30
24	قول الترمذى: حديث حسن غريب	32
25	الخبر المحفوظ والشاذ	33
26	أنواع زيادة الثقة وحكم كل نوع	33
27	الخبر المعروف والمنكر	35
28	المتابعة وأنواعها	36
29	المتابع والشاهد والاعتبار	36
30	المحكم ومختلف الحديث	38
31	ماذا يرجع إليه عند تعارض الخبرين	39
32	النسخ ومايعرف به	40
33	الخبر المردود وأسباب رده	42

34	أنواع السقط	42
35	أنواع المردود باعتبار السقط	43
36	حكم المرسل	44
37	تقسيم التدليس	46
38	المرسل الخفى	47
39	مايعرف به الإرسال الخفى والتدليس	47
40	أسباب الطعن فى الراوى	48
41	السبب الأول	48
42	الخبر الموضوع وحكم روايته	48
43	دواعى الوضع	49
44	مايعرف به الوضع	51
45	السبب الثانى	51
46	السبب الثالث والرابع والخامس	52
47	السبب السادس	52
48	السبب السابع	55
49	الخبر المدرج وأنواعه	55
50	دواعى الإدراج وحكمه ومايعرف به	56
51	الخبر المقلوب	57

52	المزيد فى متصل الأسانيد	58
53	المضطرب	59
54	المصحف	60
55	المحرف	61
56	السبب الثامن	61
57	أنواع المجهول	62
58	المبهم وحكم روايته	62
59	السبب التاسع البدعة	63
60	السبب العاشر سوء الحفظ	63
61	تقسيم الخبر إلى مرفوع و موقوف ومقطوع	64
62	المرفوع وأنواعه	64
63	الموقوف وماتعرف به الصحبة	65
64	المقطوع الفرق بينه وبين المنقطع	66
65	المخضرمون	66
66	العلو والنزول	67
67	تقسيم الخبر إلى عال ونازل	67
68	أنواع النسبى	68
69	رواية الأقران والمدبج	70

70	رواية الاكابر عن الأصاغر وحكمها	71
71	السابق واللاحق	72
72	المهمل	72
73	من حدث ونسى	73
74	المسلسل	74
75	المتفق والمفترق الخ	76
76	تحمل الحديث وأداؤه	77
77	طرق التحمل وصيغ الأداء	78
78	الجرح والتعديل	81
79	مراتب التعديل	82
80	مراتب الجرح	84
81	معرفة الأسماء والكنى	87
82	أنواع الولاء	92
83	كتابة الحديث وسماعه۔ الخ	93
84	أنواع التصنيف فى الحديث	94
85	آداب الشيخ والطالب	97
86	خاتمه فى أن السنة حجة على جميع الأمة	99

عرض ناشر

زندہ قومیں علم کے ذریعے ترقی وتمدن کی منازل طے کرتی ہیں اور علم انسان کو ظلمات سے نور کی طرف راہ دکھاتا ہے۔ دیکھا گیا ہے اسلام کی آمد سے قبل عرب کن کن برائیوں کا شکار تھے۔ وہ لوگ جو کبھی کسی کا حکم تسلیم نہ کرتے، اسلام کی برکات سے وہ حکم ہی نہیں مانتے تھے بلکہ صاحب حکم نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہی اصول و ضوابط ضبط کیے۔ جو آج ہمارے ہاں علوم وفنون کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک اصول حدیث بھی ہے۔ اگرچہ اس پر اولاً امام شافعی نے الرسالہ تحریر کیا پھر لوگوں نے اس کی روشنی میں دیگر کئی کتب مرتب کیں، جو الحمد للہ اہل علم کے ہاں متداول ہیں۔

لیکن موجودہ دور میں شیخ عبدالمحسن العباد اور عبدالکریم المراد نے ایک ایسا رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کو یاد کرنے سے طالب علم اس فن میں خوب سیرابی حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی قیمتی رسالے کی اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، اس کا اردو ترجمہ ہمارے فاضل نوجوان عبدالمنان راسخ اور مولانا محمد محفوظ اعوان نے نہایت محنت سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب دینی طبقہ کے لیے نہایت مفید تھی۔ اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مکتبہ محمدیہ اس کو شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ جو نہایت دیدہ زیب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہماری یہ کاوش حد درجہ مفید ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ ہماری محنتوں، کوششوں اور کاوشوں میں برکت فرمائے۔ اور ہم کو اپنے دین کے لیے قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین

خادم العلم والعلماء

عبدالرحمٰن عابد

عرض مترجم

ان الحمدلله والصلوة والسلام علی رسولِ الله وعلی آله وصحبه اجمعین ...... امابعد

جس طرح عربی زبان کو جاننے کے لئے گرائمر کا سمجھنا از حد ضروری ہے اسی طرح حدیث شریف میں مہارت حاصل کرنے کیلئے اصول حدیث میں دسترس رکھنا لازمی ہے۔ اصول حدیث کی سب سے پہلی کتاب سے لے کر آج تک اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے......

ہر گل را بوئے دیگر است

مگر اس سب کچھ کے باوجود فن اصول حدیث میں تحریر کی گئی کتب میں سے سب سے زیادہ مختصر، جامع اور آسان ترین کتاب صرف اطیب المنح ہی ہے۔ جس کا بہترین آسان ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اصول حدیث میں اس سے مختصر، جامع اور آسان کوئی کتاب نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ بڑے بڑے جامعات کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ اور یقیناً اس رسالے کو پڑھ لینے کے بعد اصول حدیث کی وافر معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے طلباء اور علماء کیلئے مفید بنائے اور مؤلفین، مترجمین اور ناشرین کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

عبدالمنان راسخ
مدرس جامعہ مدنیہ
فیصل آباد

محمد محفوظ اعوان
مدرس جامعہ امام بخاری
سرگودھا

مقدمة فی تاریخ علم المصطلح ونشأته

جس طرح علوم اسلامیہ کی تدوین ہوئی، اسی طرح، علم مصطلح الحدیث کی تدوین بھی کی گئی مگر یہ تدوین متفرق اقسام پر مشتمل علمی کتابوں میں تھی۔ جیسا کہ ''الرسالہ'' اور ''الام'' ہیں، یہ دونوں امام شافعی رحمہ اللہ کی کتابیں ہیں اور مقدمہ صحیح مسلم میں اور جامع ترمذی کے آخر میں۔

پس جب چوتھی صدی ہجری میں علوم وفنون پروان چڑھے اور اصطلاحات قائم ہوگئیں تو قاضی ابومحمد حسن بن عبدالرحمن بن خلاد رامھرمزی رحمہ اللہ (المتوفی 360ھ) نے سب سے پہلے ایک ابتدائی کتاب فن مصطلح میں الگ تصنیف کی۔ جس کا نام انہوں نے ''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' رکھا۔ پھر علماء نے ان کے بعد اس علم میں وسعت پیدا کی پھر ان کے بعد ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ (المتوفی 405ھ) نے اس فن میں کتاب لکھی جس کا نام ''معرفۃ علوم الحدیث'' رکھا، لیکن نہ تو اس کو اچھے طریقے سے مرتب کرسکے اور نہ ہی اِس کو مکمل کرسکے۔ پھر ان کے بعد ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمہ اللہ (المتوفی 430ھ) نے ابوعبداللہ حاکم کی کتاب پر بطور استخراج کام کیا اور کئی چیزیں بعد والوں کیلئے چھوڑ دیں۔ پھر ان کے بعد خطیب ابوبکر احمد بن علی بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی 463ھ) تشریف لائے۔ انہوں نے روایت کے قوانین میں ''الکفایۃ'' اور اس کے آداب میں ''الجامع لآداب الشیخ والسامع'' مرتب کی۔ اور انہوں نے حدیث کے اکثر فنون میں الگ الگ کتب تحریر فرمائیں۔ حتیٰ کہ اُن کے بعد ہر آنے والا اُن کی کتابوں کا محتاج ہوگیا۔ جس طرح کہ حافظ ابوبکر بن نقطہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

پھر قاضی عیاض رحمہ اللہ (المتوفی 544ھ) نے اس فن میں کچھ مواد جمع کیا جس کا نام ''الإلماع فی ضبط الروایۃ وتقیید السماع '' رکھا۔ پھر ابوحفص عمر میانجی رحمہ اللہ نے اس فن میں ایک رسالہ مرتب فرمایا اور اُس کا نام ''مالا یسع المحدث جھلہ '' ان کے اور دیگر آئمہ کے بعد حافظ ابوعثمان بن عبدالرحمٰن المعروف ابن الصلاح دمشقی رحمہ اللہ المتوفی 643ھ ہیں پس جب وہ مدرسہ اشرفیہ جو کہ دارالحدیث کے نام سے مشہور تھا اُس میں تدریس حدیث کیلئے فائز ہوئے۔ تو انہوں نے علوم الحدیث المعروف مقدمہ ابن صلاح کو تحریر کیا اور اُس کے فنون کی تہذیب کی اور آہستہ آہستہ املاء لکھائی اور خطیب رحمہ اللہ کی متفرق تصانیف کا اہتمام کیا۔ اور متفرق مقاصد کو جمع کیا اور اس میں دوسری کتابوں میں سے بھی بعض اہم فوائد دیئے اور اس کتاب میں وہ کچھ اکٹھا کر دیا جو مختلف جگہوں پر تھا اور اسی لئے علماء نے ان پر اعتماد کیا اور انہی کے طریقے پر چلے بعض نے ان کی کتاب کا اختصار کیا، جس طرح نووی رحمہ اللہ کی کتاب ارشاد طلاب الحقائق ہے اور بلقینی کی کتاب محاسن الاصطلاح اور بعض نے اس کو اشعار میں مرتب کیا جس طرح عراقی رحمہ اللہ کی کتاب الفیۃ الحدیث اور بعض نے اس پر استدراک کیا اور بعض نے اس پر معارضہ کیا۔

اس سب کچھ کے باوجود مختصر کتابوں میں سے سب سے زیادہ نفع بخش کتاب نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ المتوفی 852ھ کی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کی شرح کی حتیٰ حافظ صاحب رحمہ اللہ نے خود بھی اس کی شرح لکھی اور آپ کے بیٹے محمد بن احمد بن حجر، عبدالرحمٰن المناوی اور محمد صادق بن عبدالھادی سندی نے بھی شرح لکھی۔

اور اسی طرح ایک جماعت نے نخبہ کو نظم میں مرتب کیا۔ ان میں سے شہاب الدین احمد طوفی المتوفی 863ھ اور محمد بن اسماعیل امیر صنعانی المتوفی 1182ھ، سب

سے زیادہ اختصار سے اس کی نظم المنظومۃ البیقونیۃ ، شیخ عمر بن فتوح بیقونی دمشقی کی ہے۔اور جن لوگوں نے اس کی شرح کی ہے اُن میں سے نواب صدیق حسن المتوفی 1307ھ ہیں اور اُنہوں نے اس شرح کا نام العرجون فی شرح البیقون رکھا ہے۔اور اس فن میں تحریر کی جانے والی کتابوں میں سے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی للسیوطی اور فتح المغیث شرح الألفیة للسخاوی ، توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار للصنعانی،قواعد التحدیث لجمال الدین قاسمی وتوجیه النظر للجزائری ہیں۔

اللہ تمام کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

مُصْطَلَحُ الْحَدِيْثِ وَمَوْضُوْعُهُ وَثَمْرَتُهُ

(مصطلح الحدیث کی تعریف، موضوع اور فائدہ)

تعریف: ایسے اصول وقواعد کا علم ہے جس سے مقبول ومردود ہونے کے اعتبار سے سند اور متن کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔

موضوع: سند اور متن یعنی مقبول ومردود ہونے کے اعتبار سے۔

غرض وغایت: صحیح احادیث کو ضعیف احادیث سے الگ کرنا۔

اَلْحَدِيْثُ وَالْخَبَرُ وَالْأَثَرُ وَاصْطِلَاحَاتٌ أُخْرٰى

(حدیث، خبر، اثر اور دوسری اصطلاحات)

الحدیث: لغوی معنیٰ: "اَلْجَدِيْدُ" یعنی نیا، اس کی جمع احادیث ہے جو خلافِ قیاس ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ قول یا فعل یا تقریر یا خُلقی یا خَلقی وصف جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو۔

الخبر: لغوی معنیٰ: "اَلنَّبَأُ" یعنی خبر دینا،

اصطلاحی تعریف: (اس کی تین تعریفات کی گئی ہیں:)

(۱) خبر، حدیث کے ہم معنیٰ ہے۔

(۲) دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے برعکس ہے، یعنی حدیث وہ ہے جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو غیر نبی سے منقول ہو۔

(۳) دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، یعنی حدیث وہ ہے جو صرف نبی کریم ﷺ سے مروی ہو اور خبر وہ ہے جو آپ ﷺ سے یا آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور سے مروی ہو، (عموم وخصوص مطلق: وہ نسبت ہے جس میں ایک کلی تو

دوسری کلی کے تمام افراد پر صادق آئے جبکہ دوسری پہلی کے بعض افراد پر، حدیث اور خبر میں یہ نسبت اسطرح ہے کہ ہر حدیث خبر ہے جبکہ ہر خبر حدیث نہیں)

الأثر: لغوی معنی "بقية الشيء" یعنی کسی چیز کا باقی حصہ،

اصطلاحی تعریف: وہ اقوال یا افعال جو صحابہؓ اور تابعینؒ سے منقول ہوں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اثر، حدیث کے مترادف ہے۔

الحديث القدسي: جو نبی کریم ﷺ سے اس طرح منقول ہو کہ آپ ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھا ہو۔

حدیث قدسی اور قرآن کریم میں فرق: قرآن کے الفاظ معجزہ ہیں، اس کی تلاوت عبادت ہے اور اس کے ثبوت کیلئے تواتر شرط ہے جبکہ حدیث قدسی اعجاز کی صفت سے متصف نہیں ہے نیز نہ اس کی تلاوت عبادت ہے اور نہ اس کے ثبوت کیلئے تواتر شرط ہے، احادیث قدسیہ سو سے زائد ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے: عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالَى أَنَّهُ قَالَ: ﴿يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا﴾ (رواہ مسلم)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے وہ روایت بیان کرتے ہیں جو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر بھی ظلم کو حرام کیا اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام قرار دیا پس تم ظلم نہ کرو"۔ (صحیح مسلم)

حدیث قدسی کو روایت کرنے کے دو صیغے ہیں:

(۱) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے وہ بات بیان کی جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔

(۲) قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فِيمَا رَوَاهُ عَنْهُ رَسُولُهُ ﷺ۔

یعنی اللہ تعالی نے وہ بات بیان فرمائی جو اس سے اس کے رسول ﷺ نے روایت کی۔

دونوں صیغوں کا معنی ایک ہے۔

اَلسَّنَدُ: (''ن'' پر زبر ہے) لغوی معنی: ''اَلْمُعْتَمَدُ'' یعنی جس پر اعتماد کیا جائے،

اصطلاحی معنی: رواۃ کا ایسا سلسلہ جو متن تک پہنچا دے۔

اَلْمَتْنُ: (''ت'' پر جزم ہے) لغوی معنی: ''مَا صَلُبَ وَارْتَفَعَ مِنَ الْأَرْضِ'' یعنی زمین کا وہ حصہ جو سخت اور ابھرا ہوا ہو،

اصطلاحی معنی: کلام کا وہ حصہ جہاں پر سند کی انتہاء ہو جائے (یعنی سند کے بعد شروع ہونے والا کلام)

وجہ تسمیہ: مسند حدیث کے متن کو سند کے ساتھ قوی کرتا ہے اور اس کو اس کے قائل کی طرف بلند کرتا ہے، اسلئے اسے متن کہتے ہیں۔

اَلْاِسْنَادُ: اس کے دو معانی ہیں:

(۱) حدیث کو سند کے ساتھ اس کے قائل کی طرف منسوب کرنا۔

(۲) رواۃ کا ایسا سلسلہ جو متن تک پہنچا دے، اس تعریف کے مطابق یہ سند کے ہم معنی ہے۔

اَلْمُسْنَدُ: (''ن'' پر زبر ہے) اس کی دو تعریفیں ہیں:

(۱) ہر وہ کتاب جس میں ایک صحابیؓ یا زیادہ کی احادیث علیحدہ علیحدہ جمع کی گئی ہوں، جیسے مسند امام احمدؒ اور مسند عبداللہ بن عمر، جو امام محمد بن ابراہیم طرسوی کی تصنیف ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث جو سند کے اعتبار سے متصل ہو۔

اَلْمُسْنِدُ: (''ن'' پر زیر ہے) وہ راوی ہوتا ہے جو حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرے، خواہ اس کے پاس اس کا علم ہو یا وہ صرف روایت کر رہا ہو۔

اَلْمُحَدِّثُ: وہ ہوتا ہے جو روایت و درایت کے اعتبار سے علم حدیث کے ساتھ مشغول

ہواور بہت سی روایات اور ان کے رواۃ پر اطلاع رکھتا ہو۔(روایت: اسانید کے ساتھ احادیث نقل کرنا اور انہیں پرکھنا، درایت: احادیث کے متون کے معانی ومطالب پر مطلع ہونا)

اَلْحَافِظُ: (اس کے متعلق دواقوال ہیں):

(۱) اکثر محدثین کے نزدیک یہ محدث کے ہم معنی ہے۔

(۲) حافظ کا درجہ محدث سے بلند ہے، وہ اس طرح کہ حافظ ہر طبقہ کے (رواۃ وروایات کے) ایسے اکثر احوال پر مطلع ہوتا ہے جن سے محدث لاعلم ہوتا ہے۔

تَقْسِيْمُ الْخَبَرِ اِلٰى مُتَوَاتِرٍ وَآحَادٍ

(خبر کی اقسام: متواتر اور آحاد)

سند کے ذریعے ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے خبر کی دو قسمیں ہیں: متواتر، آحاد

اَلْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ (خبر متواتر)

المتواتر: لغوی معنی: متواتر "التواتر" سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے: "التتابع" یعنی پے در پے ہونا، ایک دوسرے کے بعد ہونا، لگاتار ہونا۔

اصطلاحی تعریف: وہ خبر ہے جس کو راویوں کی اتنی بھاری تعداد روایت کرے کہ عادتاً جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔

تَقْسِيْمُ الْخَبَرِ الْمُتَوَاتِرِ (خبر متواتر کی اقسام)

خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں: لفظی، معنوی۔

اَلْمُتَوَاتِرُ اللَّفْظِيّ: وہ خبر متواتر ہے جس کے الفاظ اور معانی دونوں میں تواتر پایا جاتا ہو، جیسے حدیث: ﴿مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ﴾ یعنی "جو دانستہ طور پر میری طرف غلط بات منسوب کرے وہ جہنم کی آگ کو اپنا ٹھکانہ بنا

لے''۔اس حدیث کو تہتر (۷۳) سے زائد صحابہؓ نے روایت کیا۔

اَلمتواتر الُمَعْنوِیّ: وہ خبر متواتر ہے جس کے معانی میں تو تواتر پایا جاتا ہو، الفاظ میں نہیں، اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں جیسے موزوں پر مسح کرنے اور عذاب قبر کی روایات۔

شُرُوطُ الُمتَوَاتِرِ (متواتر کی شروط)

متواتر کی مندرجہ ذیل چار شرطیں ہیں:

(۱)اس کو رواۃ کی بھاری تعداد روایت کرے۔

(۲) یہ کثیر تعداد سند کے تمام طبقوں میں پائی جاتی ہو۔

(۳) عادتاً ان کا جھوٹ پر متحد و متفق ہونا محال ہو۔

(۴)ان کی خبر کا اعتماد حس پر ہو، (جیسے وہ کہیں: ہم نے سنا، ہم نے دیکھا وغیرہ وغیرہ)

خبر متواتر کا حکم:

معتمد موقف یہی ہے کہ خبر متواتر علم ضروری (علم یقینی) کا فائدہ دیتی ہے، یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ خبر متواتر علم نظری (علم ظنی) کا فائدہ دیتی ہے، لیکن یہ ایک بے حقیقت قول ہے، کیونکہ عام آدمی، جس میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت نہ ہو، کو بھی علمِ تواتر حاصل ہو جاتا ہے۔

علم ضروری: وہ علم ہے جس کو تسلیم کرنے پر انسان اس طرح مجبور ہو جائے کہ اسے ردّ نہ کر سکے، (جیسے آنکھوں دیکھا حال)۔

(علم نظری: وہ علم ہے جو تفکر و تدبر اور تحقیق و جستجو پر موقوف ہو)

اَخْبَارُ الْآحَادِ

(اخبارِ آحاد)

الآحاد: "أحد" کی جمع ہے، جس کا معنی ہے "الواحد" یعنی ایک۔
خبر واحد کی لغوی تعریف: جس کو روایت کرنے والا ایک شخص ہو۔
اصطلاحی تعریف: وہ خبر ہے جس میں متواتر کی شروط پوری نہ ہو سکیں۔

خبر واحد کا حکم:

یہ خبر علم ظنی (علم نظری) کا فائدہ دیتی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے علم ضروری کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، بہر حال ہر صورت میں اس پر عمل کرنا واجب ہے۔
امام ابن حزمؒ نے کہا: "أنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ عَنْ مِّثْلِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یُوْجِبُ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ مَعًا" ۔ یعنی ایسی خبر واحد جس کے رسول اللہ ﷺ تک تمام راوی عادل ہوں وہ علمِ (قطعی) اور عمل دونوں کا فائدہ دیتی ہے۔

تَقْسِیْمُ الْآحَادِ (اخبار آحاد کی اقسام)

خبر واحد کی تین اقسام ہیں: مشہور، عزیز، غریب۔
(۱) اَلْخَبَرُ الْمَشْهُوْرُ: لغوی معنی: وہ خبر جو زبانوں پر مشہور ہو، اگرچہ وہ جھوٹ ہی کیوں نہ ہو، جیسے حدیث: ﴿حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ﴾ یعنی وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے، اور حدیث ﴿یَوْمُ صَوْمِکُمْ یَوْمُ نَحْرِکُمْ﴾ یعنی تمہارے روزے کا دن تمہاری قربانی کا دن ہے۔
اصطلاحی تعریف: وہ خبر جس کو روایت کرنے والے تین یا اس سے زائد راوی ہوں جو تواتر کی حد تک نہ پہنچیں۔

وجہ تسمیہ: اس خبر کا یہ نام اس کی شہرت اور عام معروف ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے، بعض اصولیوں نے اس کا نام ''مستفیض'' رکھا ہے، لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستفیض، مشہور کی بہ نسبت خاص ہے، کیونکہ اس میں سند کی دونوں اطراف کا تعداد میں برابر ہونا شرط ہے۔

مثال: حدیث: ﴿مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهٖ﴾ یعنی جس نے کسی نیکی پر رہنمائی کی اس کو اس کے کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ (صحیح مسلم)

اور حدیث: ﴿اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ﴾ یعنی جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا۔

(۲) اَلْخَبَرُ الْعَزِيْزُ: وہ خبر ہے جس کو روایت کرنے والے دو راوی ہوں، اگر چہ وہ ایک طبقہ میں ہوں۔

مثال: حدیث: ﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ﴾ یعنی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے والدین اور اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اور امام بخاریؒ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وجہ تسمیہ: (دو وجوہات ہیں) اس کا نام عزیز اسلئے رکھا گیا کیونکہ یہ دوسری سند سے منقول ہونے کی وجہ سے قوی ہوگئی یا اسلئے کہ اس کا پایا جانا قلیل اور نادر ہے (یعنی عزیز روایات غریب اور مشہور کی بہ نسبت کم پائی جاتی ہیں)۔

دراصل لفظ ''عزیز'' باب عَزَّ يَعِزُّ عِزًّا وَعِزَّةً وَعَزَازَةً سے ماخوذ ہے (مضارع میں اور پہلے دو مصادر میں لفظ ''ع'' پر زیر ہے) اور اس باب کے لغوی معانی دو ہیں: (۱) چیز کا قوی ہو جانا، (۲) چیز کا اتنا کم ہو جانا کہ قریب ہے کہ وہ نہ پائی جائے، (وجہ تسمیہ بیان کرنے میں کسی نے پہلے معنی کو دیکھ لیا اور کسی نے دوسرے معنی کو)

یاد رہے کہ جمہور کے ہاں حدیث کے صحیح ہونے کیلئے اس کا عزیز ہونا شرط نہیں ہے، جبکہ ابوعلی جبائی، ابن العربی اور امام حاکم کے نزدیک عزیز ہونا شرط ہے، امام صنعانی نے "نظم النخبة" میں (جمہور کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے) کہا:

وَلَيْسَ شَرْطًا لِلصَّحِيحِ فَاعْلَمِ   وَقِيلَ شَرْطٌ وَهُوَ قَوْلُ الْحَاكِمِ

یعنی آپ جان لیں کہ صحیح حدیث کیلئے عزیز ہونا شرط نہیں

کہا گیا ہے کہ یہ شرط ہے، یہ امام حاکم کا قول ہے

(۳) اَلْخَبَرُ الْغَرِيْبُ: (اس کو "فردٌ" بھی کہتے ہیں) وہ خبر ہے جس کو روایت کرنے والا ایک راوی ہو۔

مثال: حدیث: ﴿أَنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ (بخاری)

"یعنی اعمال کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے۔"

اس حدیث کو یحیی بن سعید انصاری، محمد بن ابراہیم تیمی سے، وہ علقمہ بن وقاص لیثی سے، اور وہ سیدنا عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں متفرد ہیں، (یعنی پہلے چار طبقوں میں تفرد پایا جاتا ہے) پھر یحیی بن سعید انصاری سے بہت سے رواۃ نے روایت کیا ہے۔

تَقْسِيْمُ الْخَبَرِ الْغَرِيْبِ (خبر غریب کی اقسام)

خبر غریب کی دو اقسام ہیں: مطلق، نسبی۔

(۱) اَلْغَرِيْبُ الْمُطْلَقُ: (اس کو فرد مطلق بھی کہا جاتا ہے) وہ خبر ہے جس میں غرابت اور تفرد اصلِ سند میں واقع ہو، اصلِ سند سے مراد صحابیؓ والی جانب ہے، جیسے تابعی، صحابی سے روایت کرنے میں متفرد ہو اور اس کی متابعت نہ کی گئی ہو۔

مثال: حدیث: ﴿نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ﴾ یعنی آپ ﷺ نے ولاء کو فروخت کرنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔ (ولاء: وہ رشتہ وراثت جو آزاد

کرنے والے اور آزاد ہونے والے غلام کے درمیان قائم ہوتا ہے۔)

اس حدیث کو عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت کرنے میں متفرد ہے، اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کیا۔

بسا اوقات تفرد سند کے تمام یا اکثر رواۃ میں جاری رہتا ہے، مسند بزار اور امام طبرانی کی معجم اوسط ایسی تصنیفات ہیں جن میں غریب مطلق روایات بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(۲) اَلْغَرِیْبُ النِّسْبِی: (اس کو فرد نسبی بھی کہا جاتا ہے) وہ خبر ہے جس میں غرابت اور تفرد سند کے درمیان واقع ہو، جیسے کوئی روایت کرنے میں تبع تابعی یا اس سے نیچے کسی طبقے کا راوی متفرد ہو۔

وجہ تسمیہ: چونکہ اس حدیث میں تفرد کسی معین شخص کی طرف نسبت کی وجہ سے ہوتا ہے اسلئے اسے نسبی کہتے ہیں، (یعنی نسبی میں تعین کرنا پڑتا ہے کہ فلاں طبقے کے راوی کے تفرد کی وجہ حدیث غریب ہے، جبکہ مطلق کہنے سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابی سے تابعی متفرد ہے۔) کبھی کبھار ایسی حدیث مشہور بھی ہوتی ہے۔

مثال: وہ حدیث جسے امام مالک عَنِ الزُّهْرِی عَنْ اَنَسٍ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ "أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ مَکَّةَ وَعَلٰی رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ" یعنی آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے سر پر خود تھا، اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا: فرد کا اطلاق نسبی پر کم اور مطلق پر زیادہ ہوتا ہے جیسے غریب کا اطلاق نسبی پر زیادہ ہوتا ہے۔

تَقْسِيْمُ الْآحَادِ اِلٰى مَقْبُوْلٍ وَمَرْدُوْدٍ

(مقبول اور مردود کے لحاظ سے اخبارِ آحاد کی تقسیم)

مقبول اور مردود کے لحاظ سے اخبارِ آحاد، جو مشہور، عزیز اور غریب ہیں، کی دو اقسام ہیں: مقبول، مردود۔

اَلْخَبَرُ الْمَقْبُوْلُ وَحُكْمُهٗ (خبر مقبول اور اس کا حکم)

اَلْخَبَرُ الْمَقْبُوْلُ: وہ خبر ہے جس سے حجت پکڑی جاتی ہے۔

اس کے حکم میں اختلاف کیا گیا ہے، اور صحابہ وتابعین اور بعد والے محدثین وفقہاء کا اختیار کیا ہوا مسلک یہ ہے کہ متفرد راوی، جو ثقہ ہو، کی روایت شریعت کی حجتوں میں سے ایک ایسی حجت ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔

خَبَرُ الْوَاحِدِ الْمُحْتَفُّ بِالْقَرَائِنِ وَأَنْوَاعُهٗ

(قرائن سے گھری ہوئی خبر واحد اور اس کی انواع)

بلا شبہ خبر واحد محتف بالقرائن یعنی قرائن پر مشتمل خبر واحد اس خبر سے راجح ہوگی جس میں یہ قرائن نہیں ہوں گے، اس کی بعض اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

(ا) وہ خبر جسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہو اور وہ تواتر کی حد تک نہ پہنچی ہو، ایسی خبر کو مندرجہ ذیل قرائن نے گھیر رکھا ہے:

☆ اس فن میں شیخین کا بلند مرتبہ،

☆ ضعیف احادیث سے صحیح کو ممتاز کرنے میں اِن کا باقی محدثین پر فوقیت رکھنا،

☆ علماء کا ان کی صحیحین کو قبول کرنا۔

(۲) وہ خبر جس کی سند میں راسخ العلم اور حفاظ ائمہ کا تسلسل پایا جاتا ہو اور وہ غریب بھی نہ ہو، جیسے ایک حدیث کو امام احمدؒ تفرد کے بغیر امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں، امام شافعیؒ، امام مالکؒ سے اور وہ امام نافعؒ سے، (یاد رہے کہ ہر ایک امام کے ساتھ کوئی نہ کوئی متابعت بھی موجود ہو)

(۳) اَلْخَبَرُ الْمَشْهُوْرُ: وہ خبر ہے جس کی مختلف اسانید ہوں اور وہ رواۃ کے ضعف اور علتوں سے سالم ہوں۔

وہ علماء ان انواع کا علم حاصل کرتے ہیں جو علمِ حدیث میں ماہر اور رواۃ کے احوال اور علتوں سے آگاہ ہوں۔

تَقْسِیْمُ الْخَبَرِ الْمَقْبُوْلِ اِلٰی صَحِیْحٍ وَّحَسَنٍ
(صحیح اور حسن کی صورت میں خبر مقبول کی اقسام)

مختلف مراتب کے لحاظ سے خبر مقبول کی چار اقسام ہیں: صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لغیرہ۔

اَلصَّحِیْحُ لِذَاتِهٖ (صحیح لذاتہ)

تعریف: وہ خبر ہے جس کو عادل اور تام الضبط راوی اپنے جیسے سے روایت کرے، اس حال میں کہ اس کی سند متصل ہو اور وہ معلول اور شاذ نہ ہو۔

تعریف کی شرح:

اَلْعَدْلُ: وہ مسلمان جو عاقل ہو، بالغ ہو، فسق سے محفوظ اور نیز نفسیاتی آداب میں خلل ڈالنے والے امور سے سالم ہو، کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنا یا صغیرہ گناہوں پر مصر رہنا فسق کہلاتا ہے۔

عدل کی قید لگانے سے خارج ہونے والے رواۃ: اَلْكَاذِبُ (نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے والا)، اَلْمُتَّهَمُ بِالْكَذِبِ (لوگوں کے ساتھ عام گفتگو میں

جھوٹ بولنے والا)،اَلْفَاسِقُ، اَلْمُبْتَدِعُ (بدعتی)، اَلْمَجْھُوْلُ (جس کے حالات نامعلوم ہوں)۔

اَلضَّبْط: لغوی معنی: حفظ میں پختگی۔

اس کی دو اقسام ہیں: ضبط صدر، ضبط کتاب۔

ضبط صدر: راوی نے جو کچھ سنا اسے اپنے سینے میں برقرار رکھنا اور جب چاہے اسے پیش کرنے پر قادر ہونا ضبط صدر کہلاتا ہے۔

ضبط کتاب: جب سے راوی اپنی کتاب کو سنے اس وقت سے اس کی حفاظت کرنا۔ اسے سنبھال کر رکھنا اور اس کی (غلطیوں کی) تصحیح کرنا یہاں تک کہ وہ اسے آگے ادا کر دے۔

تامّ الضبط کی قید سے خارج ہونے والے رواۃ: اَلْوَاھِمُ (وہم کرنے والا)، فَاحِشُ الْغَلَطِ (فاش غلطیاں کرنا)، کَثِیْرُ الْغَفْلَةِ (زیادہ غفلت کرنے والا)، اَلْمُخَالِفُ لِلثِّقَاتِ (ثقہ رواۃ کی مخالفت کرنے والا)، سَیِّئُ الْحِفْظِ (حافظہ میں کمزور)، خَفِیْفُ الضَّبْطِ۔

تعریف میں متصل سند کی قید لگا کر ان احادیث کو خارج کر دیا جن کی اسانید متصل نہیں ہوتیں، جیسے معلق وغیرہ، نیز غیر معلول اور غیر شاذ کی قید لگا کر خبر معلول اور خبر شاذ (جن کی تعریفات درج ذیل ہیں) سے احتراز کیا۔

اَلْمُعَلّ (خبر معلول): لغوی معنی: وہ خبر جس میں علت ہو،

اصطلاحی تعریف: وہ خبر ہے جو بظاہر تو علتوں سے سالم ہو لیکن اس کی صحت پر جرح کرنے والی کوئی خفیہ علت اس میں پائی جاتی ہو۔

اَلشَّاذُ (خبر شاذ): لغوی معنی: منفرد

اصطلاحی معنی: وہ خبر ہے جس کو روایت کرنے والا راوی اس روایت میں اپنے سے

راجح (یعنی ثقات یا اوثق راوی) کی مخالفت کر رہا ہو۔ اس کی ایک دوسری تعریف "زیادۃ الثقہ ......" کے سبق میں آرہی ہے۔

مَرَاتِبُ الصَّحِيحِ (صحیح احادیث کے مراتب)

حدیث کی صحت کا تقاضا کرنے والے اوصاف کی عدمِ یکسانیت کی وجہ سے صحیح کے مختلف مراتب ہیں، جس حدیث کے رواۃ عدالت، ضبط اور ترجیح کا سبب بننے والی بقیہ صفات میں اعلی درجے کے مالک ہوں گے، وہ حدیث اس سے کم درجہ رواۃ والی روایت سے زیادہ صحیح ہوگی۔

بعض ائمہ نے جن اسانید کو أَصَحُّ الْأَسَانِيدِ (سب سے زیادہ صحیح) قرار دیا، ان کا تعلق بھی اعلی مرتبے سے ہے، جیسے مَالِك عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، اِبْرَاهِيم عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ، ان سے کم درجہ والی اسانید جیسے حَمَّاد بْن سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ اور اس سے کم مرتبے والی سند جیسے سُهَيْل بْن أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ۔

صحیح احادیث کو (بالترتیب) درج ذیل سات مراتب میں تقسیم کرنا بھی اسی برتری سے منسلک ہے:

(۱) وہ حدیث جس کو روایت کرنے پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ متفق ہوں۔

(۲) جسے صرف امام بخاریؒ روایت کریں۔

(۳) جسے صرف امام مسلمؒ روایت کریں۔

(۴) جو شیخین کی شرط پر ہو لیکن انہوں نے اسے روایت نہ کیا ہو۔

(۵) جو صرف امام بخاریؒ کی شرط پر ہو۔

(۶) جو صرف امام مسلم کی شرط پر ہو۔

(۷) جسے شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ نے صحیح قرار دیا ہو اور وہ ان کی شرط پر بھی نہ ہو

جیسے امام ابن خزیمہؒ، امام ابن حبانؒ۔

شَرُطُ الشَّیُخَیۡنِ (امام بخاریؒ وامام مسلمؒ کی شرائط)

اس قسم کی کوئی شرط منقول نہیں جس کا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیحین کو تصنیف کرنے میں تعین کیا ہو، البتہ محقق علماء نے ان کے اسلوب اور انداز کو پرکھنا شروع کیا حتی کہ انہیں گمان ہونے لگا کہ شیخین فلاں فلاں شرط کے پابند رہے، اسی لئے ان علماء میں شروط کے تعین پر کچھ اختلاف پیدا ہوا (کیونکہ ہر ایک نے اپنی سمجھ بوجھ کا نتیجہ پیش کیا)۔

ہم یہاں امام نوویؒ کا قول ذکر کریں گے، جسے حافظ ابن حجرؒ نے بھی "النخبة" پسند کیا:

شیخین دونوں یا کسی ایک کی شرط سے مراد یہ ہے کہ: حدیث صحیحین دونوں یا کسی ایک کے رواۃ کی سند کے ساتھ منقول ہو اور ان رواۃ سے روایات لیتے وقت ان کیفیتوں کو بھی مدنظر رکھا جائے جن کا شیخین نے ان سے روایت کرنے میں التزام کیا۔

اَلۡحَسَنُ لِذَاتِهٖ (حسن لذاتہ)

تعریف: وہ خبر ہے جس کو عادل اور خفیف الضبط راوی روایت کرے، اس حال میں کہ اس کی سند متصل ہو اور وہ معلول اور شاذ نہ ہو۔

حسن لذاتہ میں صحیح لذاتہ کی تمام شروط پائی جاتی ہیں، البتہ اس کے بعض رواۃ خفیف الضبط ہوتے ہیں، اور یہ صحیح کی طرح حجت ہوتی ہے۔

صحیح کی طرح حسن کے بھی مختلف مراتب ہیں، حافظ ذہبی نے کہا: حسن کا سب سے اعلیٰ مرتبہ "بهز بن حكيم عن ابيه عن جده" اور "عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده" کی احادیث ہیں۔

اَلصَّحِیْحُ لِغَیْرِہٖ (صحیح لغیرہ)

تعریف: صحیح لغیرہ اس حسن لذاتہ کو کہتے ہیں جس کی اسانید متعدد ہوں۔

حدیث ان اسانید کی بناء پر درجہ حسن سے قوی اور بلند ہو کر صحیح کے درجہ تک پہنچ تو جاتی ہے، لیکن "لغیرہ" رہتی ہے، "لذاتہ" نہیں۔

مثال: محمد بن عمرو بن علقمہ نے ابوسلمہ سے روایت کیا، انہوں نے سیدنا ابوہریرہ ﷛ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ﴾ یعنی "اگر اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا خدشہ نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا"۔ امام ترمذیؒ نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد کہا: سیدنا ابوہریرہ کی حدیث صحیح ہے کیونکہ یہ کئی ایک طرق (اسانید) سے مروی ہے۔

یاد رہے کہ یہ مثال مطلق حدیث کے متن کیلئے نہیں ہے، صرف اس کی سند کے راوی محمد بن عمرو کی روایت ہونے کی قید سے ہے، وگرنہ اس حدیث کو تو شیخین نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ ابن صلاح نے کہا: صدق اور عدالت کے اعتبار سے تو محمد بن عمرو بن علقمہ مشہور راوی ہے، لیکن اہل اتقان (یعنی راسخ العلم) نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ نے سوء حفظ کی بناء پر اسے ضعیف قرار دیا، لیکن بعض نے صدق اور عدالت کی بناء پر ثقہ، اسی اعتبار سے اس کی حدیث حسن ہے۔

اَلْحَسَنُ لِغَیْرِہٖ (حسن لغیرہ)

تعریف: حسن لغیرہ وہ خبر متوقف ہے جس کی اس جیسی یا اس سے قوی متابعت مل گئی ہو، جیسے مجہول الحال کی روایت۔

(خبر متوقف: وہ خبر ہے جس پر صحیح یا حسن کا حکم لگانے میں توقف کیا گیا ہو، اور مجہول

الحال وہ راوی ہے جس سے روایت کرنے والے دو یا زائد راوی ہوں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو)

اصل میں خبر متوقف ضعیف ہوتی ہے، متابعت کی تقویت کی بناء پر اسے حسن قرار دیا گیا ہے۔

مثال: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (مرفوعا) بیان کرتے ہیں کہ ﴿لَا ضَـرَرَ وَلَا ضِـرَارَ﴾ یعنی اپنے بھائی کو اس کے حق میں کمی کر دینے والا ضرر (نقصان) پہنچانا اور پہنچائی گئی اذیت سے زیادہ ضرر پہنچانا جائز نہیں۔ اسے امام دارقطنیؒ اور امام حاکمؒ نے روایت کیا۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں، لیکن کوئی بھی نقد اور جرح سے سالم نہیں ہے، البتہ بعض طرق بعض کو تقویت دے رہے ہیں، اسی لئے امام نوویؒ اور حافظ ابن صلاحؒ نے اسے حسن کہا۔

قَوْلُ التِّرْمِذِيِّ وَغَيْرِهِ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

(امام ترمذیؒ وغیرہ کا کہنا کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے)

مذکورہ عبارت (یعنی "حسن صحیح") میں اشکال اور پیچیدگی ہے، کیونکہ حسن کا مرتبہ صحیح سے کم ہے، تو ایک حدیث کو "حسن صحیح" کہہ کر اس میں اس کمی کے ثبوت اور نفی، دونوں کو کیسے جمع کر دیا گیا؟

حافظ ابن حجرؒ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہا: جس حدیث پر حسن اور صحیح دونوں اوصاف کا اطلاق کیا گیا وہ دو حالتوں سے خالی نہیں: یا تو وہ حدیث غریب ہوگی جس کو روایت کرنے والا ایک راوی ہوگا، یا غریب نہیں ہوگی۔

پہلی حالت کی صورت میں دو اوصاف کو جمع کرنے کا سبب امام ترمذیؒ وغیرہ کا تردد ہے کہ آیا متفرد راوی ضابط یعنی تام الضبط تھا کہ اس کی حدیث کو صحیح کہا جا سکے یا

وہ خفیف الضبط تھا کہ اس کی حدیث کو حسن قرار دیا جائے، اس تردد کو ادا کرنے کیلئے اصل عبارت "حسن أو صحیح" (یعنی حسن یا صحیح) تھی، (اختصار کرتے ہوئے "حسن صحیح" کہہ دیا) ایسی حدیث کا مرتبہ اس حدیث سے کم ہے جس پر بالیقین صحیح کا حکم لگایا جائے۔

دوسری حالت، یعنی حدیث کا غریب نہ ہونا، کی صورت میں دو اوصاف کو جمع کرنے کا سبب دو سندیں ہیں، یعنی وہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور دوسری سند کے حسن ہے، (اصل عبارت "حسن و صحیح" یعنی "حسن اور صحیح" تھی) ایسی حدیث کا مرتبہ (دو سندوں کی وجہ سے) اس حدیث سے زیادہ ہے جس پر صرف صحیح کا حکم لگایا جائے۔

مثال: حدیث: ﴿لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰی أُمَّتِیْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ﴾ یعنی "اگر اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا خدشہ نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا"

اس حدیث کو شیخان نے صحیح سند کے ساتھ اور امام ترمذیؒ نے محمد بن عمروؒ کے طریق سے روایت کیا، محمد بن عمروؒ، جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، کی حدیث کے صحیح اور حسن ہونے میں اختلاف ہے، اسی لئے امام ترمذیؒ نے اس کی حدیث پر صحیح اور حسن دونوں اوصاف کا اطلاق کیا۔

حافظ ابن دقیق العیدؒ نے کہا: سرے سے حسن اور صحیح میں کوئی تضاد ہی نہیں، ہاں جب حدیث زیادہ سے زیادہ حسن ہو تو تضاد ہوگا (کیونکہ وہ صحیح کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی) اور جب حدیث صحت کے درجے تک پہنچ جائے تو لامحالہ اسے حسن کا وصف، جو صحت کا تابع ہوتا ہے، حاصل ہوگا، کیونکہ اعلیٰ درجہ، ادنی درجے کے وجود کی نفی نہیں کرتا اور (حسن صحیح کا اشکال دور کرتے ہوئے) اس طرح کہنا صحیح ہوگا کہ ادنی

درجے کے اعتبار سے حسن ہے اور اعلی درجے کے اعتبار صحیح۔

قَوْلُ التِّرْمِذِيِّ: حَسَنٌ غَرِيْبٌ

(امام ترمذیؒ کا قول حسن غریب)

بعض ائمہ نے امام ترمذیؒ کا "حسن غریب" کو جمع کرنے پر انکار کیا ہے، کیونکہ امام ترمذی کی خاص اصطلاح کے مطابق ''حسن حدیث'' وہ ہے جو متعدد طرق سے روایت کی گئی ہو، جبکہ غریب وہ ہوتی ہے جس کو روایت کرنے میں ایک راوی متفرد ہو، (تو ایک ہی حدیث کو امام ترمذیؒ ''حسن غریب'' کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اس اصطلاح میں تضاد ہے)

حافظ ابن حجرؒ نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے: امام ترمذیؒ کی خاص اصطلاح کو اس حدیث پر محمول کریں گے جسے امام صاحب نے صرف حسن کہا ہو۔

جس حدیث پر امام صاحب ''حسن غریب'' کا حکم لگائیں، تو حسن سے مراد جمہور کی اصطلاح ہوگی، اور ان کی اصطلاح کے مطابق حسن اور غریب کو جمع کرنے میں کوئی تضاد نہیں۔

شیخ ابن تیمیہؒ نے یوں جواب دیا کہ: امام ترمذی پر نقد کرنے والے لوگ ان کے اکثر اقوال کا مفہوم نہیں سمجھ سکے، کیونکہ جب محدثین کسی حدیث پر حکم لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ حدیث اس طریق کے اعتبار سے غریب ہے، کبھی کبھار وہ اس کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں، اگرچہ حدیث ان کے ہاں صحیح اور معروف ہوتی ہے، جب یہی حدیث کسی اور سند سے روایت کی جاتی ہے تو وہ اس سند کے اعتبار سے غریب ہو جاتی ہے، اگرچہ اس کا متن صحیح اور معروف ہو، اس لئے امام ترمذی جب کسی حدیث پر حکم لگاتے ہوئے ''حسن غریب'' کہیں، تو ان کی مراد یہ ہوگی کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے غریب ہے

لیکن اس کا متن شواہد کی بناء پر حسن کے زمرے میں آجاتا ہے۔

زِيَادَةُ الثِّقَةِ وَتَقْسِيْمُ الْخَبَرِ اِلٰى مَحْفُوْظٍ وَشَاذٍ

(ثقہ راوی کی روایت میں زیادتی اور محفوظ وشاذ کی صورت میں خبر کی تقسیم)

علومِ حدیث میں زیادتِ ثقہ کا اہتمام کرنا بھی مستحسن ہے، زیادتی متن کی طرح سند میں بھی واقع ہوتی ہے، جیسے موقوف کو مرفوع اور منقطع کو متصل قرار دینا۔

شیخ ابن صلاحؒ نے زیادتِ ثقہ کی درج ذیل تین اقسام بنائی ہیں، ان کی اس تقسیم کو امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی پسند کیا ہے:

(۱) ثقہ کی ایسی زیادتی جو ثقات یا اس سے اوثق راوی کی روایت کے منافی ہو۔

حکم: ایسی زیادتی مردود ہے۔

ایسی صورت میں ثقات یا اوثق کی روایت کو محفوظ اور ثقہ کی روایت کو شاذ کہا جاتا ہے۔

کہہ سکتے کہ

خبر محفوظ: وہ خبر ہے جس کو ثقات یا اوثق روایت کریں اور وہ ثقہ کی روایت کے منافی ہو۔

خبر شاذ: وہ خبر ہے جس کو ثقہ راوی روایت کرے اور وہ ثقات یا اوثق کی روایت کے منافی ہو۔

سند میں مثال: سیدنا ابو سعید خدری ﷛ سے مرفوعا روایت ہے کہ ﴿اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ﴾ یعنی قبرستان اور حمام کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے، اسے امام ترمذیؒ نے روایت کیا۔

اس حدیث کو حماد بن سلمہ نے عمرو بن یحییٰ سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور ان کے باپ نے ابو سعید خدری ﷛ سے مرفوعا اور موصولا بیان کیا، جبکہ سفیان ثوری نے عمرو بن یحییٰ سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور ان کے باپ نے نبی کریم

ﷺ سے مرسلا بیان کیا ہے، یادرہے کہ سفیان ثوری، حماد بن سلمہ کی بہ نسبت اوثق ہیں، اسی لئے امام دارقطنی نے "العلل" میں کہا: اس روایت کو مرسَل بیان کرنا محفوظ ہے۔

(۲) ثقہ کی ایسی زیادتی جو ثقات یا اس سے اوثق راوی کی روایت کے منافی نہ ہو۔

حکم: ایسی زیادتی مقبول ہے، کیونکہ یہ ایک مستقل خبر ہے جس کو ثقہ اپنے شیخ سے روایت کرنے میں متفرد ہے۔

مثال: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿طُهُوْرُ اِنَاءِ أَحَدِكُمْ أِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ أَنْ يَّغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ﴾ یعنی جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال جائے تو اسے پاک کرنے کیلئے سات دفعہ دھویا جائے۔ (صحیح مسلم، سنن النسائی)

جب امام مسلمؒ اور امام نسائیؒ نے اس متن کو علی بن مسہر سے، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے ابوصالح اور ابورزین سے، اوران دونوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا تو مذکورہ متن کے آخر میں ﴿فَلْيُرِقْهُ﴾ یعنی "برتن میں موجودہ پانی وغیرہ کو انڈیل دے" کے الفاظ کی زیادتی کی، اعمش کے بقیہ تمام شاگردوں نے اس زیادتی کو ذکر نہیں کیا، تو یہ ﴿فَلْيُرِقْهُ﴾ کی زیادتی ایسی خبر ہے جس کو روایت کرنے میں علی بن مسہر متفرد ہے اور وہ ثقہ ہے، (نتیجتا یہ زیادتی مقبول ہوگی کیونکہ وہ ایک مستقل خبر کے حکم میں ہے، کسی کی روایت کے منافی نہیں، کتاب کے متن میں مذکورہ الفاظ "حدیث ولوغ الکلب" سے مراد وہ حدیث ہے جس میں کتے کا برتن میں منہ ڈالنے کا ذکر ہے)

(۳) ثقہ کی ایسی زیادتی جو کسی ایک قسم میں ثقات یا اس سے اوثق راوی کی روایت کے منافی ہو، یہ مخالفت (ثقات کی) مطلق روایت کو مقید کرنے یا (ان کی) عام روایت کو خاص کرنے کی صورت میں ہوگی۔

حکم: راجح قول کے مطابق یہ زیادتی مقبول ہوگی۔

مثال: ﴿طُهُورُ أَنَاءِ أَحَدِكُمْ أَذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ﴾ یعنی جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال جائے تو اسے پاک کرنے کیلئے سات دفعہ دھویا جائے۔

جب امام مسلمؒ وغیرہ اس حدیث کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محمد بن سیرینؒ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں تو متن میں ﴿أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ﴾ یعنی "پہلی دفعہ مٹی کے ساتھ صاف کرے" کی زیادتی کرتے ہیں، جبکہ ثقات کی روایت "تترِیب" یعنی مٹی سے صاف کرنے کے حکم سے خالی ہیں، اب اس زیادتی ﴿أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ﴾ نے ثقات کی مطلق (سات دفعہ پانی کے ساتھ دھونے والی) روایت کو مقید کر دیا۔

اَلْخَبَرُ الْمَعْرُوفُ وَالْمُنْكَرُ

(خبر معروف اور خبر منکر)

الخبر المعروف: (یہ خبر منکر کی ضد ہے) وہ خبر ہے جس کو ثقہ راوی، ضعیف راوی کی مخالفت کرتے ہوئے روایت کرے۔

الخبر المنکر: وہ خبر ہے جس ضعیف راوی، ثقہ راوی کی مخالفت کرتے ہوئے روایت کرے۔

مثال: وہ حدیث جسے ابن ابی حاتمؒ نے حُبَیب بن حَبِیب زیات، جو ضعیف راوی ہے، کے طریق سے روایت کیا، حُبَیب نے ابو اسحاقؒ سے، انہوں نے عیزار بن حریث سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا کہ ﴿مَنْ أَقَامَ الصَّلَوَاتِ وَآتَى الزَّكَوَاتِ وَحَجَّ الْبَيْتَ وَصَامَ رَمَضَانَ وَقَرَى الضَّيْفَ دَخَلَ الْجَنَّةَ﴾ یعنی "جو آدمی نمازیں قائم کرے، زکوۃ ادا کرے، بیت اللہ کا حج کرے، رمضان کے روزے رکھے اور مہمان کی میزبانی کرے، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"۔

ابو حاتم نے کہا: اس روایت کو مرفوعاً بیان کرنا منکر ہے، کیونکہ ثقات نے عَنْ

أَبِی أُسۡحٰقَ عَنِ الۡعِیۡزَارِ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ موقوف بیان کیا ہے، اور موقوف بیان کرنا ہی معروف ہے۔

اَلۡمُتَابَعَةُ وَأَنۡوَاعُهَا

(متابعت اور اس کی اقسام)

اَلۡمُتَابَعَةُ: لغوی معنی: موافقت کرنا،

اصطلاحی معنی: راوی کو اس کی روایت میں مشارکت حاصل ہونا۔

متابعت کی دو قسمیں ہیں: متابعت تامہ، متابعت قاصرہ

(۱) اَلۡمُتَابَعَةُ التَّامَّةُ: خود راوی کو روایت میں مشارکت حاصل ہونا۔

(۲) اَلۡمُتَابَعَةُ الۡقَاصِرَةُ: راوی کے شیخ کو یا اس سے اوپر سند کے کسی راوی کو روایت میں مشارکت حاصل ہونا۔

اَلۡمُتَابِعُ وَالشَّاهِدُ وَالۡاِعۡتِبَارُ

(متابع، شاہد، اعتبار)

اَلۡمُتَابِعُ: (''ب'' پر زیر ہے، اس کو تابع بھی کہا جاتا ہے) وہ خبر ہے جو لفظاً اور معناً یا صرف معناً کسی متفرد راوی کی روایت کی مشارکت کر رہی ہو اور دونوں اخبار صحابیؓ میں متحد ہوں۔

اَلشَّاهِدُ: وہ خبر ہے جو لفظاً اور معناً یا صرف معناً کسی متفرد راوی کی روایت کی مشارکت کر رہی ہو اور دونوں کا صحابیؓ علیحدہ علیحدہ ہو۔

بعض اصولیوں نے متابع کو اس خبر کے ساتھ خاص کیا ہے جو لفظاً کسی متفرد راوی کی روایت کی مشارکت کر رہی ہو، اور شاہد کو اس خبر کے ساتھ مختص کیا ہے جو معناً کسی

متفرد راوی کی روایت کی مشارکت کررہی ہو، دونوں صورتوں میں صحابی متحد ہو یا مختلف۔

الاعتبار: کسی خبر غریب کے سندوں کی جستجو کرنا تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ آیا اس کا کوئی متابع یا شاہد ہے یا نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے متابع اور شاہد کی یہ مثال دی: امام شافعیؒ نے "الأم" میں امام مالکؒ سے روایت کی، انہوں نے عبداللہ بن دینارؒ سے، انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ﴾ یعنی "مہینہ انتیس (۲۹) دن کا ہوتا ہے، تم اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو، اسی طرح چاند دیکھ کر افطار کرو (افطار کرنے سے مراد رمضان کا مکمل ہونا ہے) اگر (۲۹ تاریخ کو) مطلع ابر آلود ہو تو تیس (۳۰) روز کی گنتی و تعداد پوری کرو"۔

بعض ائمہ کا خیال ہے کہ مذکورہ حدیث کے الفاظ "فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ" روایت کرنے میں امام شافعی متفرد ہیں، کیونکہ امام مالکؒ کے بقیہ شاگردوں نے ان الفاظ کی جگہ ﴿فَاقْدُرُوْا لَهٗ﴾ یعنی "تو اس کیلئے اندازہ لگالو" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

لیکن صورتحال یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ دونوں موجود ہیں۔

امام بخاری نے (بعینہ "فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ" کے الفاظ) اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسلمہ قعنبی سے انہوں نے امام مالک سے بعینہ مذکور بالا سند کے ساتھ روایت کئے، یہ روایت امام شافعی کیلئے متابعت تامہ ہوئی، جو انتہاء درجہ کی صحیح ہے۔

امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں یہی حدیث بالفاظ "فَكَمِّلُوْا ثَلَاثِيْنَ"

(یعنی تیس دن مکمل کرلو) عبید اللہ بن عمرؒ کے طریق سے، انہوں نے امام نافعؒ سے، اور انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، یہ روایت امام شافعیؒ کیلئے متابعت قاصرہ ہے، (جو امام شافعیؒ کے شیخ کو حاصل ہوئی)

خود امام مسلمؒ نے بھی یہی حدیث بالفاظ "فَاقْدُرُوْا ثَلَاثِیْنَ" (یعنی تیس دن کی گنتی کا اندازہ رکھو) عبید اللہ بن عمرؒ کے طریق سے، انہوں نے امام نافعؒ سے، اور انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، (یہ روایت بھی امام شافعی کیلئے متابعت قاصرہ ہوئی)۔

نیز اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جسے امام نسائی نے (بالفاظ "فاکملوا العدة ثلاثین") محمد بن حنین کے طریق سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، یہ الفاظ بھی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عبد اللہ بن دینار کی روایت کی طرح ہیں۔

(یاد رہے کی امام بخاریؒ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "فَاَکْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِیْنَ" کے واضح الفاظ روایت کیے ہیں، وہ بھی امام شافعی کی روایت کا شاہد ہیں)

اَلْمُحْکَمُ وَمُخْتَلَفُ الْحَدِیْثِ

(خبر محکم اور مختلف الحدیث)

اَلْخَبَرُ الْمُحْکَمُ: وہ خبر مقبول جو اپنی جیسی حدیث کی مخالفت سے سالم ہو۔

حکم: ایسی حدیث پر عمل کرنا واجب ہے، اکثر و بیشتر احادیث اسی قسم کی ہے۔

مُخْتَلَفُ الْحَدِیْثِ: وہ خبر مقبول جس کا اپنی جیسی حدیث سے تعارض تو ہو لیکن دونوں کی جمع و تطبیق ممکن ہو۔

امام شافعیؒ، امام طحاویؒ اور امام ابن قتیبہؒ نے اس موضوع پر تصنیفات لکھی ہیں۔

اگر دو مقبول احادیث میں تعارض پیدا ہو جائے تو اس کو کیسے حل کیا جائے گا؟

(ایسی صورت میں بالترتیب مندرجہ ذیل چار امور کی طرف رجوع کیا جائے گا:)

(۱) جب دو مقبول احادیث باہم مختلف اور متضاد معنی کی حامل ہوں اور بغیر کسی تکلف اور تعسّف کے دونوں کی جمع و تطبیق ممکن ہو تو یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

مثال: حدیث: ﴿فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ﴾ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یعنی: "کوڑھی آدمی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو"۔

حدیث: ﴿لَا يُوْرِدُ مُمْرِضٌ عَلٰى مُصِحٍّ﴾ (امام مالکؒ)

یعنی: "بیمار آدمی کو صحتمند پر پیش نہ کیا جائے"۔

حدیث: ﴿لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ﴾ (صحیح مسلم)

یعنی: "نہ کوئی بیماری متعدی ہے اور نہ کوئی بدفالی کی حقیقت ہے"۔

احادیث کے ظاہری معانی سے پیدا ہونے والا تعارض: پہلی حدیث میں کوڑھ کی بیماری میں مبتلا آدمی سے دور فرار ہونے کا حکم دیا، جبکہ آخری حدیث میں بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کر دی؟

جمع و تطبیق: بیماریاں طبعًا یا بذات خود متعدی نہیں ہوتیں، جیسا کہ بعض اہل جاہلیت اور طبیب لوگوں کا خیال ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تندرست آدمی کے ساتھ مریض کے اختلاط کو اس کی بیماری کو متعدی بنانے کا سبب بنا دیں، لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دوسرے اسباب کی طرح بیماری والے سبب کے باوجود مسبَّب (یعنی بیماری لگنا) وقوع پذیر نہیں ہوتا۔

(۲) اگر ایسی دو احادیث کے درمیان جمع و تطبیق ناممکن ہو تو دونوں احادیث کے ظہور کی تاریخ کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر تاریخ کا پتہ چل جائے تو متاخر حدیث متقدّم

کیلئے ناسخ ہوگی اور عمل بھی اسی پر کیا جائے گا۔

(۳) اگر تاریخ کا علم نہ ہو سکے اور سند اور متن سے متعلقہ ترجیح کی وجوہات میں سے کوئی وجہ (صورت) ممکن ہو تو اسے اپنایا جائے گا۔

(۴) اگر ترجیح بھی ناممکن الحصول ہو جائے تو ان دو احادیث پر عمل کرنے سے توقف اختیار کیا جائے یہاں تک کہ محقق کیلئے ترجیح کی کوئی صورت واضح ہو جائے۔

اَلنَّسْخُ وَمَا يُعْرَفُ بِهٖ

(نسخ اور اس کو پہچاننے کے طریقے)

النسخ: لغوی معنی: "اَلْاِزَالَةُ" یعنی زائل کرنا اور "اَلنَّقْلُ" یعنی نقل کرنا، آپ کہتے ہیں: "نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ" یعنی سورج نے سائے کو زائل کر دیا، اس مثال میں "نَسَخَتْ" کا معنی "أَزَالَتْ" ہے، اسی طرح آپ "نَسَخْتُ الْكِتَابَ" اس وقت کہیں گے جب آپ ایسی چیز نقل کریں جو کتاب کے الفاظ کے مشابہ ہو یعنی کتاب کی عبارت نقل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: کسی متاخر شرعی دلیل کی بناء پر متقدم شرعی حکم کا اٹھ جانا نسخ کہلاتا ہے، (متقدم دلیل کو منسوخ اور متاخر کو ناسخ کہیں گے)

نسخ پہچاننے کے مندرجہ ذیل تین طریقے ہیں:

(۱) نص (رسول اللہ ﷺ کی صراحت): یہ طریقہ سب سے زیادہ صریح ہے، جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا﴾ (صحیح مسلم) یعنی میں پہلے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کرتا تھا، اب ان کی زیارت کیا کرو۔

(۲) صحابیؓ کا ایک شرعی دلیل کے متاخر ہونے کی خبر دینا: جیسے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"كَانَ آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَرْكَ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"۔ (جامع ترمذی) یعنی آگ پر پکی ہوئی اشیاء کھا کر وضوء نہ کرنا آپ ﷺ کا آخری عمل تھا، (یادرہے کہ شروع اسلام میں آگ پر پکی ہوئی اشیاء کے کھانے کو نواقض وضوء میں شمار کیا جاتا تھا)

(۳) تاریخ: یعنی تاریخ کے ذریعے ایک روایت کے متقدم ہونے اور دوسری کے متاخر ہونے کا فیصلہ کرنا، (جیسے: (۱) شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں سینگی لگوانے اور لگانے والوں کو دیکھ کر فرمایا: ﴿أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ﴾ (سنن ابوداود، سنن نسائی) یعنی سینگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا، جبکہ (۲) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ" (صحیح بخاری) یعنی نبی کریم ﷺ نے روزے اور احرام کی حالت میں سینگی لگوائی، دونوں احادیث میں تعارض واضح ہے، جس کا حل یہ ہے کہ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق فتح مکہ (۸ھ) سے ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق حجۃ الوداع (۱۰ھ) سے ہے، لہذا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ناسخ ہوئی، اور اب سینگی کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، یادرہے کہ ان دو احادیث کو ناسخ ومنسوخ کی بحث میں لانا ایک قول کے مطابق ہے)

نوٹ: متاخر الاسلام صحابی کی روایت کا متقدم الاسلام صحابی کی روایت کے مخالف ہونا، یہ نسخ پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ممکن ہے کہ متاخر الاسلام صحابی نے وہ روایت کسی ایسے صحابی سے سنی ہو جو متقدم الاسلام صحابی سے بھی پہلے کا مسلمان ہو، یا اُس جیسے کسی اور صحابی سے سنی ہو اور مرسل (یعنی اس صحابی کا واسطہ گرا کر براہ راست نبی کریم ﷺ سے) بیان کر دی ہو۔

نیز اجماع خود ناسخ نہیں ہوتا بلکہ وہ نسخ پر دلالت کرتا ہے۔

اَلْخَبَرُ الْمَرْدُوْدُ وَأَسْبَابُ رَدِّہٖ

(خبرِ مردود اور اس کے مردود ہونے کے اسباب)

اَلْخَبَرُ الْمَرْدُوْدُ: وہ خبر ہے جس کے راوی کا صدق راجح نہ ہو۔

اس کی کئی اقسام ہیں، بعض اصولیوں نے تو اس کی اکتالیس، بیالیس قسمیں بنادی ہیں، لیکن من جملہ ان کے درج ذیل دو اسباب ہیں:

(۱) ایک یا زائد رواۃ کا سند سے گر جانا (جسے سقوط یا سقط کہتے ہیں)، (۲) سند کے بعض رواۃ پر نقد و جرح ہونا۔

أَنْوَاعُ السُّقُوْطِ

(سند سے راوی کے ساقط ہو جانے کی اقسام)

راوی کے ساقط ہونے کی دو قسمیں ہیں:

واضح اور جلی: وہ ہے جس کو پہچاننے میں (ماہرین فن اور عام طلبہ حدیث) مشترک ہوں۔

خفی: وہ ہے جس کو احادیث کے طرق اور اسانید کی علتوں پر مطلع انتہائی ماہر ناقدین پہچان سکتے ہیں۔

پہلی قسم کو پہچاننے کا طریقہ: راوی اور مروی عنہ کی باہم ملاقات کا سرے سے ثابت نہ ہونا، وہ اس طرح کہ راوی نے مروی عنہ کا زمانہ ہی نہ پایا ہو یا زمانہ تو پایا ہو لیکن وہ دونوں کسی ایک جگہ جمع نہ ہوئے ہوں، نیز راوی کو مروی عنہ کی طرف سے اجازت ہو نہ وجادت۔ (اجازت اور وجادت کی تفصیل "طُرُقُ التَّحَمُّلِ وَصِيَغُ الْأَدَاءِ" میں دیکھیں، نیز مروی عنہ سے مراد وہ شیخ ہے جس سے اس سے ملاقات نہ کرنے والا شاگرد روایت کر رہا ہے)

انہی امور کو ثابت کرنے کیلئے علمِ تاریخ کی ضرورت پڑی، کیونکہ یہ علم رواۃ کی پیدائش اور وفات کی تواریخ نیز ان کے طلب علم کے ازمنہ اور اسفارِ علم پر مشتمل ہے۔

أَنْوَاعُ الْمَرْدُوْدِ بِاعْتِبَارِ السَّقْطِ

(سقط کے اعتبار سے خبر مردود کی اقسام)

(سقط کے اعتبار سے مردود کی چھ اقسام ہیں: (۱) اَلْمُعَلَّقُ، (۲) اَلْمُرْسَلُ، (۳) اَلْمُعْضَلُ، (٤) اَلْمُنْقَطِعُ، (٥) اَلْمُدَلَّسُ، (٦) اَلْمُرْسَلُ الْخَفِیُّ)

اَلْمُعَلَّقُ: وہ خبر ہے جس کی سند کی ابتداء سے ایک یا زائد راوی حذف کر دیئے گئے ہوں۔

حکم: محذوف رواۃ کے حالات مجہول ہونے کی وجہ سے معلق وغیرہ کو خبر مردود کی انواع میں شمار کیا جاتا ہے۔

(حالات مجہول ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا علم نہیں)

صحیح بخاری میں معلّق روایات کا حکم:

صحیح بخاری میں معلّق روایات بکثرت پائی جاتی ہیں، امام نوویؒ انکا حل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: جو روایات صیغہ جزم (یعنی معلوم صیغے) کے ساتھ مروی ہوں، جیسے: "قَالَ" (اس نے کہا)، "ذَکَرَ" (اس نے ذکر کیا)، "رَوٰی" (اس نے روایت کیا)، تو امام بخاریؒ سے منسوب الیہ تک سند کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

لیکن جو روایات صیغہ تمریض (یعنی مجہول صیغے) کے ساتھ مروی ہوں، جیسے: "قِیْلَ" (کہا گیا ہے)، "ذُکِرَ" (ذکر کیا گیا ہے)، "رُوِیَ" (روایت کی گئی ہے)، تو منسوب الیہ تک سند کے صحیح ہونے کی گارنٹی نہیں ہوگی۔

اگر محقق کسی ایسی روایت سے استدلال کرنا چاہے تو وہ سند کے رواۃ کے حالات کی تحقیق کرے۔

(یاد رہے صحیح بخاری کی جن روایات کے صحیح ہونے پر امت نے اتفاق کیا

ہے، ان میں معلّق روایات شامل نہیں ہیں)

(۲) اَلْـمُـرْسَلُ: وہ خبر ہے جس کو تابعی رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً بیان کرے، جیسے وہ کہے: رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا یا آپ ﷺ نے ایسے کیا۔

وجہ تسمیہ: عرب لوگ کہتے ہیں: "نَاقَةٌ رَسْلٌ" یعنی سبک رفتار اونٹنی، (معلوم ہوا کی لفظ "مُرْسَل" کے مادہ "رسل" میں تیزی کے معنی پائے جاتے ہیں) گویا کہ (روایت کو مرسَل بیان کرنے والے) مُرسِل راوی نے حدیث کے متن کی طرف جلدی کی اور سند کا بعض حصہ حذف کر دیا۔

حکم: مرسل روایت کو مردود کی انواع میں شمار کیا گیا ہے، وجہ وہی جو ہم معلق کے حکم میں ذکر کر چکے ہیں کہ محذوف راوی کے حالات مجہول ہیں، وہ اس طرح کہ اِس روایت میں یہ احتمال ہے کہ آیا صحابی کو ساقط کیا گیا یا تابعی کو، اگر تابعی ہوا تو یہ احتمال پیدا ہوگا کہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ یعنی ضعیف۔

حُکْمُ الْمُرْسَلِ (مرسل کا حکم)

جمہور محدثین اور کثیر تعداد میں فقہاء اور اصولیوں نے یہ مسلک اختیار کیا کہ مرسل مردود ہے اور دلیل یہ دی کہ جب مجہول راوی، جس کا نام بھی معلوم ہوتا ہے، کی روایت مقبول نہیں کی جاتی تو مرسَل کو تو بالاَولی غیر مقبول ہونا چاہئے کیونکہ جو مروی عنہ محذوف ہے وہ مجہول العین بھی ہے اور مجہول الحال بھی، (مجہول کی وضاحت "اسباب الطعن فی الراوی" کے آٹھویں سبب میں کی گئی ہے۔)

لیکن تین ائمہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ سے یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ مرسَل علی الاطلاق مقبول ہے۔

ان ائمہ کی دلیل: کسی راوی کو ذکر کرنے سے خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عادل ہے، کیونکہ خاموش رہنے والا عادل بھی ہے اور اسے یہ علم بھی ہے کہ میری

اس روایت پر شریعت کا کوئی عام حکم مرتّب ہوگا، (لہذا وہ صرف عادل اور ثقہ راوی کو حذف کرے گا)، اسی لئے بعض ائمہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مرسَل روایت مُسنَد روایت، جس کی سند بیان کی گئی ہو، سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ سند بیان کرنے والے راوی نے تو سند آپ کے سپرد کرکے اس کے رواۃ کے احوال کو پرکھنے اور ان کی تحقیق کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی، لیکن جب علم، دینداری، امامت، امانت اور ثقاہت جیسی صفات سے متصف راوی روایت کو مرسَل بیان کرے گا تو وہ آپ کو اس حدیث کی صحت کی قطعیت کا فیصلہ دے دے گا اور رواۃ کے احوال جانچ پڑتال کرنے سے آپ کو بے نیاز کردے گا۔

امام شافعیؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ سعید بن مسیّبؒ جیسے کبار تابعین کی مرسَل روایات مقبول ہیں بشرطیکہ اس کی تائید میں کوئی قرینہ بھی پایا جاتا ہو، مثلاً وہ حدیث کسی دوسری سند سے متّصل مروی ہو یا صحابی کے فتوے کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا اس حدیث کے مطابق فتوی ہو۔

مرسَل کے موضوع پر جو بحث گزری ہے، اس کا تعلق صحابہ کرامؓ کی مراسیل سے نہیں ہے۔

صحیح اور مشہور مذہب جسے جمہور اہل علم نے حتمی طور پر اختیار کیا ہے کہ صحابیؓ کی مرسَل حجت ہے، کیونکہ صحابہؓ کا تابعین سے روایت کرنا بہت نادر ہے، اور جب وہ ایسا کرتے ہیں تو وضاحت کردیتے ہیں، جب وہ بغیر (کسی واسطہ کے آپ ﷺ سے) مطلق بیان کرتے ہیں تو محذوف واسطہ صحابہ کا ہوتا ہے اور وہ سارے عادل ہیں، (صحابی کی مرسَل: صحابی کا نبی کریم ﷺ کا کوئی ایسا فعل یا قول بیان کرنا جو اس نے خود براہ راست دیکھا یا سنا نہ ہو، اس کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں، جیسے: صحابی کا اس مجلس سے غائب ہونا یا اس کا کم سن ہونا یا متاخر الاسلام ہونا وغیرہ وغیرہ)

(۳)اَلْمُعْضَلُ: وہ خبر جس کی سند سے تسلسل کے ساتھ دو یا زائد رواۃ حذف کر دیئے گئے ہوں۔

وجہ تسمیہ: یہ اسم لفظ "اَعْضَلَهٗ" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی "اس نے اسے تھکا دیا" ہے، (گویا راوی تھک گیا اور واسطے چھوڑ دیئے)

(۴)اَلْمُنْقَطِعُ: وہ خبر ہے جس کی سند سے ایک یا غیر مسلسل زائد رواۃ حذف کر دیئے گئے ہوں۔

(۵)اَلْمُدَلَّسُ: (اَلتَّدْلِيْسُ)

التدلیس: لغوی معنی: "أُخْفَاءُ الْعَيْبِ" یعنی عیب کو مخفی رکھنا، تدلیس "دلس" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی اندھیرا ہے، گویا مدلِّس نے درست صورت پر پردہ ڈال کر سامع پر معاملے کو تاریکی میں ڈال دیا۔

اصطلاحی تعریف:

اصطلاحاً تدلیس کی دو اقسام ہیں: تدلیس الاسناد، تدلیس الشیوخ۔

(۱) تدلیس الأسناد: راوی کا اپنے شیخ کو ساقط کر کے اس کے شیخ سے یا ایسے شیخ سے روایت کرنا جس کو وہ ملا تو ہو لیکن اس سے کچھ سنا نہ ہو نیز اب سے شیخ کی طرف سے اجازت ہو نہ وجادت اور روایت بھی ایسے الفاظ کا ساتھ کرے جن میں سماع کا احتمال پایا جاتا ہے، جیسے "عَنْ" اور "قَالَ"۔

"تَدْلِيْسُ التَّسْوِيَةِ" تدلیس الاسناد کی بدترین قسم ہے، اِس کی تعریف یہ ہے: راوی ایسی حدیث روایت کرے جس کی سند میں دو ثقہ رواۃ، جن کی آپس میں ملاقات ثابت ہو، کے درمیان کوئی ضعیف راوی ہو، اب مدلِّس راوی، ضعیف کو محذوف کر کے سند میں اپنے شیخ ثقہ کو دوسرے ثقہ سے ملا دے۔

عراقی نے کہا: رواۃ میں سے بقیہ بن ولید اور ولید بن مسلم قرشی ولاء ایسی

تدلیس کرنے میں معروف ہیں۔

(۲) تَدْلِیْسُ الشُّیُوْخِ: راوی کا اپنے شیخ کو ایسے اسم یا کنیت یا لقب وغیرہ کے ساتھ ذکر کرنا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں معروف نہ ہو۔

حکم: جو مدلسین غیر ثقہ رواۃ سے تدلیس کرنے میں معروف ہیں، ان کی روایت اس وقت تک مقبول نہیں ہوگی جب تک وہ سماع کی وضاحت نہیں کریں گے۔

(٦) اَلْمُرْسَلُ الْخَفِيُّ: راوی کا کسی ایسے ہم عصر سے روایت کرنا جس سے اس کی ملاقات معروف نہ ہو اور اسے اس کی طرف سے اسے اجازت ہو نہ وجادت، نیز روایت بھی ایسے الفاظ کے ساتھ کرے جن میں اتصال (یعنی سماع) کا وہم پایا جاتا ہو۔

مثال: ابن ماجہؒ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے طریق سے روایت کی، انہوں نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿رَحِمَ اللّٰهُ حَارِسَ الْحَرَسِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ محافظ دستے کا پہرہ دینے والے پر رحم فرمائے۔

حافظ مزیؒ نے الأطراف میں کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کی عقبہ بن عامر سے ملاقات نہیں ہوئی۔

تدلیس اور ارسال خفی کو پہچاننے کے طریقے

تدلیس اور ارسال خفی کو درج ذیل امور سے پہچانا جاتا ہے:

(۱) مدلِس یا مرسِل کا خود خبر دے دینا۔

(۲) اِن دونوں کا مروی عنہ سے مطلق یا کسی خاص حدیث میں سماع ثابت نہ ہونا، کسی خاص حدیث میں عدمِ سماع کی وضاحت اس فن کے ماہر امام کی نص سے ہوگی۔

أَسْبَابُ الطَّعْنِ فِي الرَّاوِيْ

(راوی میں طعن وجرح کے اسباب)

راوی پر جرح کے دس اسباب ہیں، بعض اسباب جرح بعض سے سخت ہیں۔

درج ذیل پانچ اسباب کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے:

(۱) اَلْكَذِب (نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنا)، (۲) اَلتُّهْمَةُ بِالْكَذِب (عام لوگوں کے ساتھ گفتگو میں جھوٹ بولنا)، (۳) اَلْفِسْق (فسق)، (٤) اَلْبِدْعَةُ (بدعت)، (٥) اَلْجِهَالَةُ (جہالت)۔

اور درج ذیل پانچ اسباب کا تعلق راوی کے ضبط سے ہے:

(۱) فُحْشُ الْغَلَطِ (فاش غلطیاں کرنا)، (۲) كَثْرَةُ الْغَفْلَةِ (غفلت کی کثرت)، (۳) اَلْوَهْمُ (وہم کرنا)، (٤) مُخَالَفَةُ الثِّقَاتِ (ثقہ رواۃ کی مخالفت کرنا، (٥) سُوْءُ الْحِفْظِ (حافظہ کی کمزوری)۔

لیجئے اب دس اسباب کا تذکرہ ردّ میں شدتِ تأثیر کے لحاظ سے بالترتیب کیا جاتا ہے:

پہلا سبب:

راوی کا رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا، ایسے جھوٹے راوی کی خبر کو "موضوع" (یعنی من گھڑت) کہتے ہیں۔

اَلْخَبَرُ الْمَوْضُوْعُ وَحُكْمُ رِوَايَتِهٖ

(خبرِ موضوع اور اسکا حکم)

اَلْوَضْعُ: لغوی معنی: جھوٹ گھڑنا، جھوٹ باندھنا۔

اَلْخَبَرُ الْمَوْضُوْعُ: وہ جھوٹی خبر ہے جو نبی کریم ﷺ پر گھڑی گئی ہو۔

علی الاطلاق موضوع احادیث کو روایت کرنا حرام ہے، ہاں اگر ان کے جھوٹا اور معیوب ہونے کی وضاحت کر دی جائے تو ان کا روایت کرنا درست ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ حَدِیْثًا یَرٰی اَنَّهٗ کَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْکَذَّابِیْنَ﴾ (صحیح مسلم) یعنی جو شخص میری طرف کوئی حدیث منسوب کر رہا ہو اور اس کا خیال ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہوگا۔

دَوَاعِیُ الْوَضْعِ

(احادیث وضع کرنے کے اسباب)

احادیث وضع کرنے اور جھوٹی احادیث روایت کرنے کے بہت سے اسباب ہیں، جن میں سے چھ درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت، (۲) حکام لوگوں کا قرب حاصل کرنے کی خواہش، (۳) اہل اسلام پر ان کے دین میں بگاڑ پیدا کرنا، (۴) کمائی کرنا اور وسیلہ رزق بنانا، (۵) اپنی رائے کو تقویت دینا، (۶) شہرت طلبی کیلئے نادر احادیث پیش کرنا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت: اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ایسی احادیث وضع کرنا جو لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی ترغیب دلائیں اور اس کی معصیت سے ڈرائیں، جیسا کہ عبادت گزار اور اصلاح پسند (صوفی منش) لوگوں نے کیا۔

یہ بدترین وضّاع ہیں اور سب سے بڑی مصیبت اور آزمائش ہیں، کیونکہ بالعموم ان کی راست روی کی بناء پر لوگ ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو لوگ اللہ سے اجر کی توقع رکھتے ہوئے اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے جھوٹی احادیث بیان کرتے تھے، ان میں سے ایک ابو عصمہ نوح بن ابو مریم مروزی، جو مرو کا قاضی تھا اور اس کا لقب نوح الجامع تھا، اس نے امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابو لیلیٰ سے فقہ حاصل کی تھی، جب اس سے کہا گیا کہ آپ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

عکرمہؒ کے واسطے سے قرآن کی ایک ایک سورت کے فضائل میں جو روایات بیان کرتے ہیں،، آپ نے یہ روایات کہاں سے لی ہیں، عکرمہ کے باقی شاگرد تو اس قسم کی احادیث بیان نہیں کرتے؟ تو اس نے جواب دیا: جب میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے بے رخی اختیار کر کے ابو حنیفہؒ اور ابن اسحاق کے مغازی میں مشغول ہو رہے ہیں تو ثواب کی نیت سے میں یہ احادیث گھڑیں (تاکہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں)۔

(۲) حکّام لوگوں کا قرب حاصل کرنے کی خواہش: حکام کی خواہشات کے موافق احادیث گھڑ کر ان کا قرب حاصل کرنا، جیسے امیر المؤمنین مہدی عباسی کے ساتھ غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی کا قصہ پیش آیا، وہ اس طرح کہ مہدی کبوتروں سے محبت کرتا اور ان کے ساتھ کھیلتا تھا، ایک دن غیاث، مہدی کے پاس گیا، اتفاقاً اس کے سامنے کبوتر تھے (یعنی وہ کھیل رہا تھا، اب مہدی کو خوش کرنے کیلئے) غیاث کہنے لگا: مجھے فلاں نے فلاں سے حدیث بیان کی، اپنی سند کو مکمل کیا اور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث نقل کی: ﴿لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ، اَوْ جَنَاحٍ﴾ یعنی مقابلہ بازی صرف نیزہ بازی یا اونٹ دوڑ یا گھوڑ دوڑ یا پرندوں میں جائز ہے، غیاث نے حدیث رسول میں "اَوْ جَنَاحٍ" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا، مہدی کو اس (خود ساختہ اضافے) کا علم ہو گیا اور اس نے کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔

اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں مذکور من گھڑت زیادتی نہیں ہے۔

(۳) اہل اسلام پر ان کے دین میں بگاڑ پیدا کرنا: جیسا کہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے زندیق (ملحد اور لادین) لوگوں نے کیا، ان میں سے ایک بیان بن سمعان تھا، جس نے سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا دعوی کیا، خالد بن عبد اللہ قسری نے اسے قتل کر کے جلا دیا۔

(۴) کمائی کرنا اور وسیلہ رزق بنانا: کمائی کیلئے احادیث گھڑنا، جیسا کہ قصہ گو لوگوں کا طریق کار ہے، (جیسے ابوسعید مدائنی تھا)

(۵) اپنی رائے کو تقویت دینا: (اپنے مسلک کی تائید میں خودساختہ روایات بیان کرنا، جیسا کہ خوارج اور شیعہ کرتے تھے)

(٦) شہرت طلبی کیلئے نادر احادیث پیش کرنا: (لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کیلئے عجیب وغریب روایات بیان کرنا، جیسا کہ ابن ابودحیہ اور حماد نصیبی نے کیا)

مَا يُعْرَفُ بِهِ الْوَضْعُ

(وضع کو پہچاننے کے طریقے)

وضع کو پہچاننے کے بعض طریقے درج ذیل ہیں:

(۱) واضع کا خود اعتراف کرنا، جیسے نوح بن ابومریم، جس کا ذکر پہلے سبب میں گزرا ہے، اسی طرح میسرہ بن عبدربہ فارسی تھا، جس نے خود اقرار کیا کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر (۷۰) احادیث وضع کی ہیں۔

(۲) روایت کا حس کے اس طرح مخالف ہونا کہ اس کی تاویل کی کوئی گنجائش ممکن نہ ہو، جیسے حدیث: "أَنَّ سَفِيْنَةَ نُوحٍ طَافَتْ بِالْبَيْتِ وَصَلَّتْ خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ"۔ یعنی: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی۔

امام ذہبیؒ نے اس روایت کو میزان میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم عن أبيه عن جده کی سند کے ساتھ ذکر کیا، اور یہ ضعیف راوی ہے۔

دوسرا سبب:

التُّهمةُ بالكَذِبِ: (اس کی دو صورتیں ہیں) راوی لوگوں کے ساتھ کلام

میں جھوٹ بولنے میں معروف ہو یا وہ کوئی ایسی حدیث روایت کرنے میں متفرد ہو جو معلوم ومعروف شرعی قواعد کے مخالف ہو۔

ایسے متہم بالکذب راوی کی خبر کو متروک کہتے ہیں، صدقہ دقیقی کی روایت اس کی مثالیں ہیں، جو وہ فرقد سے روایت کرتا ہے، وہ سمرہ سے اور وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے، اور عمرو بن شمر کی روایات ہیں، جو وہ جابر جعفی سے، وہ حارث سے اور وہ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسرا، چوتھا اور پانچواں سبب

راوی کا سنگین غلطیاں کرنا، اس کا انتہائی غفلت کرنا اور ایسے فسق میں مبتلا ہونا جس کی وجہ سے کفر کی حد تک نہ پہنچے: جو اصولی ثقہ کی روایت کے مقابلے ضعیف کی روایت کیلئے منکر کو منحصر نہیں کرتے وہ ان تینوں کی روایت کو بھی منکر کہتے ہیں۔

مثال: امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ابوزکریا یحیی بن محمد بن قیس کے طریق سے روایت کیا، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ عروہ سے، انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ: ﴿كُلُوا الْبَلَحَ بِالتَّمْرِ فَإِنَّ ابْنَ آدَمَ إِذَا أَكَلَهُ غَضِبَ الشَّيْطَانُ﴾ یعنی کچی (ہری) کھجور، پکی کھجور (چھوہارے) کے ساتھ کھاؤ، کیونکہ جب ابن آدم یہ کھاتا ہے تو شیطان کو غصہ آتا ہے۔

امام نسائی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے، اسے روایت کرنے میں ابوزکریا یحیی بن محمد متفرد ہے، یہ ایک صالح شیخ ہے، لیکن (ثقاہت میں) ان کا مرتبہ اتنا نہیں کہ ان کا تفرد قابلِ قبول ہو۔

چھٹا سبب:

وھم الراوی: راوی کا حدیث کو وہم کے ساتھ بیان کرنا۔

وہم جیسے سند میں موقوف کو مرفوع یا منقطع کو موصول بنا دینے کی صورت میں

واقع ہوتا ہے ایسے ہی متن میں ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دینے کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔

بسا اوقات وہم قادح ہوتا ہے، جیسے مرسل بیان کرنے کی علت اور کبھی غیر قادح ہوتا ہے، جیسے سند کے کسی راوی کے نام میں وہم ہو جانے کی علت۔

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حدیث غریب ہو گی یا اس کی ایک سے زائد اسانید ہوں گی، اب غریب ہونے کی صورت میں سند میں قدح سے متن میں قدح لازم آئے گی، اور اس کے برعکس بھی (یعنی متن میں قدح سے سند میں قدح لازم آئے گی) جب کہ زائد اسانید کی صورت میں ایک چیز میں جرح سے دوسری چیز میں جرح ثابت نہیں ہوتی، (کیونکہ اگر ایک سند مجروح ہے، تو دوسری سند صحیح بھی ہو سکتی ہے جس کی بناء پر متن درست ہو جائے گا)

جس خبر میں وہم واقع ہوا سے "اَلْمُعَلّ" یا "اَلْمُعَلَّل" کہتے ہیں۔

علوم حدیث میں یہ ایک پیچیدہ علم ہے، جس کا ادراک وہی انسان کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تہہ تک پہنچنے والا روشن دماغ دیا ہو اور وہ رواۃ کے مراتب اور احادیث کے متون پر وسیع اطلاع رکھتا ہو۔

سند میں وہم کی مثال، جو قادح نہیں ہے: صحیح بخاری کے راوی یعلی بن عبید طنافسی کی حدیث ہے، جو انہوں نے سفیان ثوری سے روایت کی، انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: ﴿...عَانِ بِالْخِيَارَ......﴾ یعنی بائع اور مشتری کو بیع واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے جب تک وہ دونوں جدا جدا نہ ہوں......

اس حدیث کی سند میں سفیان سے یعلی بن عبید نے نہ وہم کیا اور عمرو بن دینار کو سفیان کا شیخ بنا دیا، حالانکہ اس حدیث میں سفیان کے معروف شیخ عبداللہ بن

دینار ہے، وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں، (اب یہ وہم قادح نہیں کیونکہ عمرو بن دینار اور عبداللہ بن دینار دونوں ثقہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی ہو تو ہر صورت میں روایت صحیح ہوگی)۔

امام ابن معین نے کہا: سفیان ثوری سے روایت کرنے میں یعلیٰ بن عبید ضعیف ہے اور دوسرے رواۃ سے ثقہ۔

متن میں وہم کی مثال: ابوسعید بن ابومریم کی حدیث ہے، جسے انہوں نے امام مالک سے روایت کیا، انہوں نے امام زہری سے، انہوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَنَافَسُوا﴾ یعنی ''ایک دوسرے سے بے رخی اختیار نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے غیبت نہ کرو''۔ دراصل ''وَلَا تَنَافَسُوا'' کے الفاظ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ درج ذیل حدیث کے الفاظ ہیں، ابن ابومریم کو وہم ہوا اور انہوں نے یہ الفاظ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں داخل کر دیئے۔

امام مالک، ابو الزناد سے روایت کرتے ہیں، وہ اعرج سے، وہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا﴾ یعنی ''بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، کسی کی ٹوہ نہ لگاؤ، جاسوسی نہ کرو، اور آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو''۔ (دونوں احادیث متفق علیہ ہیں، البتہ ''وَلَا تَنَافَسُوا'' کے الفاظ صرف صحیح مسلم میں ہیں)

وہم کو پہچاننے کا طریقہ: وہم راوی کے تفرد اور دوسروں کی مخالفت سے پہچانا جاتا، لیکن اس میں کچھ اور قرائن بھی شامل ہوتے ہیں، نیز اس کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام طرق جمع کیئے جائیں اور ضبط واتقان میں رواۃ کے درجات کو

پہچانا جائے، امام علی بن مدینی نے کہا: اگر کسی باب کے طرق جمع نہ کئے جائیں تو اس کی غلطیاں واضح نہیں ہوتی۔

ساتواں سبب:

راوی کا ثقات کی مخالفت کرنا اور یہ مخالفت اپنے ضمن میں چھ انواع کو لئے ہوئے ہے۔

1)......اَلْمُدْرَجُ: راء کے فتح کے ساتھ اور اَدْرَجْتُ الشَّیْئَ فِی الشَّیْئِ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کر دینا۔

اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(i)...... مُدْرَجُ الْاِسْنَادِ: ایسی حدیث جس کی سند کا سیاق بدل جائے اور اس کی کئی صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: کہ راوی کے پاس دو حدیثیں مختلف سندوں کے ساتھ ہیں لیکن ان دونوں کو دو سندوں میں سے ایک کے ساتھ بیان کرتا ہے یا ان میں سے ایک کو اپنی سند سے جو اس کی خاص سند ہے سے بیان کرتا ہے اور دوسری حدیث سے اس میں کچھ اضافہ کر دیتا ہے۔

دوسری صورت: کہ اس کے پاس ایک سند کے ساتھ متن ہے مگر اس کا کچھ حصہ اس کے پاس دوسری سند کے ساتھ ہے تو اس کو مکمل پہلی سند کے ساتھ روایت کر دیتا ہے۔

تیسری صورت: کہ وہ اپنے شیخ سے حدیث سنتا ہے مگر اس کا بعض حصہ اس سے واسطہ کے ساتھ سنتا ہے پھر اس کو مکمل بغیر واسطہ کے بیان کر دیتا ہے۔

چوتھی صورت: کہ ایک خبر کو ایک جماعت سے سنتا ہے مگر وہ اس کی سند میں مختلف ہیں لیکن اس کو ان سے اتفاق کے ساتھ اختلاف کو ذکر کئے بغیر بیان کرتا ہے۔

(ii)......مُدْرَجُ الْمتن: اور وہ یہ کہ حدیث کے کے متن میں ایسی چیز کو داخل

کر دیا جائے یا ملا دیا جائے جو اُس میں سے نہیں ہے۔ بغیر فاصلے کے۔ اور غالب طور پر ادراج حدیث کے آخر میں واقع ہوتا ہے اور اس کا شروع میں واقع ہونا درمیان کی بنسبت زیادہ ہے۔ اور اس کی مثال جس کو روایت کیا ہے خطیب نے اس سند کے ساتھ ابی قطنٍ و شَبَابَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيادٍ عن أبی هريرةَ رضی اللّٰه عنه مرفوعاً: اسبغوا الوضوء ويلٌ للأعقابِ من النارِ۔ اس حدیث میں اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ یہ مدرج ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کا کلام ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس سند سے روایت کیا ہے آدمُ بنُ ابی ایاسٍ عن شعبةَ عن محمدِ بن زيادٍ عن أبی هريره قال: اسبغوا الوضوء فإن أبا القاسم صلی الله عليه وسلم قال: ويلٌ للأعقاب منَ النَّارِ۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو شعبہ سے روایت کرنے میں ابوقطن اور شبابہ بن سوار کو وہم ہوا ہے جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور ادراج کی قسم میں سے ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہتے ہیں......

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَا مِنَّا إِلَّا وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ۔ بدشگونی شرک ہے ہم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جسے بدشگونی کا خیال پیدا نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اُس کو توکل کے ساتھ ختم کر دیتا ہے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے محمد (بن اسماعیل البخاری) سے سنا وہ اس حدیث کے بارہ میں کہہ رہے تھے کہ وَمَامِنَّا اِلَّا میرے نزدیک یہ حضرت ابن مسعودؓ کی کلام ہے۔

دَوَاعِیُ الإدراجِ وَحُكْمُهُ وَمَا يُعْرَفُ بِهِ

ادراج کے اسباب اور اُس کا حکم اور جس سے پہچانا جاتا ہے

ادراج کی وجوہات بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے

1) غریب الفاظ کی تفسیر
2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے کسی حکم کو استنباط کرنا۔
3) شرعی حکم کا بیان کرنا

غریب (کلمہ) کی تفسیر کے علاوہ ادراج کرنا جائز نہیں جس طرح زہریؒ سمیت دیگر آئمہ نے کہا ہے۔

یُعْرِفُ الإدراجُ باموٍر منها

ادراج چند طریقوں سے پہنچانا جاتا ہے ان میں سے

1) بعض راوی مدرجہ عبارت کے علیحدہ ہونے کی وضاحت کریں اور اس کے کہنے والے کی طرف منسوب کردیں۔

2) اس (عبارت) کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا ناممکن ہو۔

اَلخَبرُ الْمَقلُوْب (مقلوب خبر)

<u>اَلْـخَبـرُ الْمَقلُوبُ</u>: اس کا نام منقلب بھی ہے وہ یہ کہ کسی راوی پر بعض لفظ بدل جائے اور اس کا معنی تبدیل ہو جائے اور قلب سند میں واقع ہوتا ہے جس طرح متن میں واقع ہوتا ہے۔ پس پہلے سے (یعنی قلب سند سے) یہ کہ حدیث کسی راوی کے ساتھ مشہور ہو لیکن اس کی جگہ دوسرا راوی اسی طبقہ سے رکھ دیا جائے۔ غرابت یا کسی دوسری وجہ سے۔

راویوں میں سے یہ کام حماد بن عمرو نصیبی کیا کرتا تھا، نسبت نصیبین کی طرف ہے بخاری کہتے ہیں۔ وہ منکر الحدیث ہے۔ اس کی مثالوں میں سے حدیث ﴿إذا لَقِيْتُم الْمُشرِكِيْنَ فِى طَرِيْقٍ فَلا تَبدَؤُهُم بِالسلام﴾ جب تم مشرکوں کو راستے میں ملو تو سلام میں پہل نہ کرو۔

حماد بن عمرو نے اس میں قلب کیا کہ اس کو عنْ الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريره رضی اللهِ عنه مرفوعاً روایت کیا جبکہ یہ (روایت) عن

سهیل بن أبی صالح عن ابیه عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔جس طرح کہ صحیح مسلم میں ہے۔اور سند میں قلب راویوں کے ناموں کے آگے پیچھے ہونے سے واقع ہوتا ہے۔مثل۔مرۃ بن کعب اور کعب بن مرۃ ان میں سے ایک نام دوسرے کے باپ کی طرح ہے۔

جس کو مسلم نے روایت کیا ہے سات آدمیوں والی حدیث کہ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔اس حدیث میں ہے وَرَجلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاها حَتّٰى لَاتَعْلَمُ يَمِيْنُهُ ما انفقت شمالُه ان آخری الفاظ قلب ہے اور صحیح یوں ہے حتی لا تعلم شماله ماتنفق يمينه جس طرح کہ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم نے بھی اپنی ایک روایت میں اس طرح ہی بیان کیا ہے۔

اور قلب کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک متن کی سند کو لے کر دوسرے متن کے ساتھ ملا دیا جائے اور اس کا متن دوسری سند کے ساتھ لگا دیا جائے۔جس طرح کہ امیر المومنین فی الحدیث بخاریؒ کے ساتھ اہل بغداد نے کیا اور اس کو خطیب نے اپنی تاریخ (بغداد) اور ابن حجرؒ نے النکت علی کتاب ابن الصلاح میں ذکر کیا ہے۔

اَلْـمَـزِيْـدُ فِـيْ مُتَّصِلِ الأسانيد: وہ ہے جس میں مخالفت ایک روای کی زیادتی کی وجہ سے ہو، درمیان سند میں ظاہر اس کا متصل ہو۔

حکم: اس میں حکم (اعتبار) اس سند کا ہوگا جو زیادت سے خالی ہے۔بشرطیکہ زیادت ذکر نہ کرنے والا اس سے زیادہ متقن ہو جس نے اس جگہ زیادت بصیغہ سماع ذکر کی ہے۔ورنہ زیادت والی سند ہی راجع ہوگی۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو امام مسلمؒ اور ترمذیؒ نے اس سند سے روایت کیا ہے۔

عبداللّٰہ بنُ المبارک عن عبدالرحمنِ بنِ یزیدَ بن جابرٍ عن بسربن عبیداللّٰہ عن -أبی إدریس الخولانی- عن واثلة بن الأسقع عن أبی مرشد الغنوی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : لَا تَجْلِسُوا عَلَی الْقُبُورِ وَلَا تَصَلُّوا إلیھَا. (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو نہ اُن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو)

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل (بخاریؒ) فرماتے ہیں ابن مبارک کی حدیث غلط ہے اس میں ابن مبارک نے غلطی کی ہے اور اس میں عن اَبی ادریس کو زیادہ کیا ہے اور حقیقت میں وہ بسر بن عبیداللہ ہیں جو کہ واثلہ سے بیان کرتے ہیں۔

المُضطَربُ :

راء کے کسرہ سے اور وہ حدیث ہے جس کو کئی وجوہ سے روایت کیا گیا ہو، تمام وجوہ قوت میں برابر ہوں۔ اختلاف چاہے ایک راوی کی طرف سے ہو یعنی ایک مرتبہ اس طرح اس کو روایت کیا اور دوسری دفعہ دوسری طرح جو پہلی کے مخالف ہو، یا ایک سے زیادہ جماعت نے روایت کیا ہو اور ان میں سے ہر ایک روایت کرنے میں جماعت کے مخالف ہو۔

اضطراب ضعفِ حدیث کا موجب ہے راویوں کے حافظہ نہ ہونے کی وجہ سے اور یہ سند اور متن دونوں میں واقع ہوتا ہے۔

پھر اگر راوی کے ضبط کی وجہ سے ایک وجہ راجح ہو جائے یا مروی عنہ کی صحبت زیادہ ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی ترجیح کی وجہ راجح ہو جائے تو پھر راجح وجہ کا حکم ہوگا اور اس وقت حدیث پر اضطراب کے وصف کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی اس کا یہ حکم ہوگا۔

متن میں اضطراب کی مثال: وہ حدیث جسے امام ترمذی نے روایت کیا ''عَنْ

شَرِيكٍ عَنْ ابى حمزةَ عَنِ الشَّعْبِي عَنْ فاطمةَ بِنِ قَيْسٍ رضى الله عنها قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم عن الزَّكَاةِ فَقَالَ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ'' اوراسی حدیث کوابن ماجہ نے اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ ''لَيْسَ فى المال حق سوى الزكاة''

حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا اضطراب ہے جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی تاویل ممکن ہے اس لئے کہ اس کو دونوں لفظوں کے ساتھ رسول اللہ سے بیان کیا گیا ہو اور ثابت حق غیر واجب ہو نفلی صدقہ کی طرح اور مہمان کی تکریم کرنے کی طرح اور جس حق کی نفی کی گئی ہے اور وہ واجب حق ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵- الْمُصَحَّف: وہ ہے جس میں نقطوں کے اعتبار سے ایک یا زیادہ حروف کے بدل جانے میں اختلاف ہو اور لفظ کی تحریری صورت باقی رہے۔

تصحیف سند اور متن دونوں میں واقع ہوتی ہے۔

سند میں مثال: حدیث: ﴿لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ یعنی ''تم ضرور ہر ایک کے حقوق ادا کر دو گے''۔

اس حدیث کو امام شعبہؒ نے عَوَّام بن مُرَاجِم سے، انہوں نے ابو عثمان نہدی سے، انہوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔

امام یحیی بن معین نے سند میں تصحیف کرتے ہوئے عَوَّام بن مُرَاجِم کو عَوَّام بن مُزَاحِم پڑھا، (یعنی ''راء اور جیم'' کو ''زاء اور حاء'' بدل دیا)

متن میں مثال: حدیث: ﴿مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَه سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ......﴾ یعنی ''جس نے رمضان کے بعد ماہِ شوال کے بھی چھ روزے رکھے.......''

ابو بکر صولیؒ نے تصحیف کرتے ہوئے ''سِتًّا'' کو ''شَيْئًا'' پڑھا، (یعنی ''س

اورت'' کو'' ش اور یاء'' بدل دیا)

٦-اَلْـمُـحَرَّف: وہ ہے جس میں اعراب کے اعتبار سے ایک یا زیادہ حروف کے بدل جانے میں اختلاف ہو اور لفظ کی تحریری صورت باقی رہے۔

سند میں تحریف کی مثال: ''عَـقِیْـل'' کو ''عُـقَـیْـل'' پڑھنا، یعنی'' ع'' پر زبر کے بجائے پیش پڑھنا۔

متن میں تحریف کی مثال: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ''رُمِیَ أُبَیٌّ یَوْمَ الْأَحْزَابِ فِیْ أَکْحَلِهٖ ......''۔یعنی'' جنگ خندق والے روز سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کے بازو کی رگ میں تیر لگا''۔

غندر نے تحریف کرتے ہوئے'' أُبَـیٌّ'' کو ''أَبِـیْ'' (میرا باپ) پڑھا، اگر ''أَبِـیْ'' پڑھا جائے تو اس سے مراد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے باپ بنتے ہیں جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔

آٹھواں سبب:

راوی کا مجہول ہونا، اس کے دو سبب ہیں:

(۱): راوی کی صفات اس کے نام یا کنیت یا لقب یا پیشے یا نسب وغیرہ کی صورت میں زیادہ ہو جائیں اور اسے کسی خاص مقصد کے پیش نظر غیر مشہور صفت کے ساتھ ذکر کیا جائے، جس کی وجہ سے یہ گمان ہونے لگے کہ یہ کوئی اور راوی ہے، نتیجۃً اس کے حالات سے جہالت حاصل ہو جائے۔

مثال: محمد بن سائب کلبی ایسا راوی ہے جسے دادے کی طرف منسوب کر کے'' محمد بن بشر'' کہا گیا، اس کا نام'' حماد بن سائب'' بھی رکھا گیا، کبھی اس کی کنیت'' ابونضر'' رکھی جاتی ہے، کبھی'' ابو ہشام'' اور کبھی'' ابوسعید''۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ ایک جماعت ہے اور حقیقت میں صرف ایک آدمی، اس موضوع پر کتاب ''الـمـوضِّح لأوهام الجمع

والتفریق فی النعوت" لکھی گئی۔

(۲): راوی قلیل الحدیث ہو، اس کی روایات بکثرت نہ ہوں۔

اس موضوع پر "الوُحدان" نامی کتاب تصنیف کی گئی۔

مجہول کی اقسام:

مجہول کی دو اقسام ہیں: ۱۔ مجہول العین، ۲۔ مجہول الحال

۱۔ مجہول العین: جس سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہو (اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو)۔

ایسے راوی کی روایت مردود ہوتی ہے، ہاں اگر اس کی توثیق کر دی جائے (تو روایت مقبول ہوگی)، اگر چہ اس کی توثیق کرنے والا اس سے روایت کرنے والا راوی ہی کیوں نہ ہو، بشرطیکہ وہ جرح وتعدیل کا اہل ہو۔

۲۔ مجہول الحال: جس سے روایت کرنے والے دو یا زائد راوی ہوں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو۔

اسے "مستور" بھی کہتے ہیں، راوی کے حالات کی وضاحت تک ایسی روایت پر توقف کا حکم لگایا جائے گا۔

مبہم اور اس کی روایت کا حکم

مبہم: وہ راوی ہے کہ اختصار کی وجہ سے جس کے نام کی صراحت نہ کی گئی ہو، جیسے اس سے روایت کرنے والا کہے: مجھے ثقہ راوی نے یا ایک شیخ نے یا ایک آدمی نے بیان کیا۔

راجح مذہب کے مطابق ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں ہوتی، اگر چہ ابہام توثیق والے الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہو، جیسے راوی کہے: مجھے ایسے راوی نے بیان کیا جو ثقہ یا ثبت ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ دوسروں کے نزدیک ثقہ نہ ہو۔

نواں سبب

بدعت: لغوی معنی: ایجاد کرنا، نئی چیز بنانا۔

اصطلاحی تعریف: دین میں پیدا کی ہوئی نئی چیز۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں: ۱- مکفّرہ، ۲- مفسّقہ

۱- مکفّرہ: ایسی بدعت جس کی وجہ سے بدعتی کو کافر قرار دیا جائے، وہ اس طرح کہ وہ کسی ایسے امر کا انکار کردے جس پر اجماع ہو، جو متواتر اور دین میں قطعی طور پر معروف ہو۔

ایسے راوی کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

۲- مفسّقہ: ایسی بدعت جس کی وجہ سے بدعتی کو فاسق قرار دیا جائے۔

ایسے بدعتی کی روایت مقبول ہوتی ہے، جب تک وہ اپنی بدعت کا داعی نہ ہو اور ایسی حدیث روایت کرنے والا ہو جس سے اس کی بدعت کو ترویج ہوتی ہو، یہ جمہور کا مختار مذہب ہے اور یہی راجح ہے۔

دسواں سبب

سُوْءُ الْحِفْظ: "سیِّئُ الْحِفْظ" ایسا راوی ہوتا ہے جس کی درستی والی جانب خطا والی جانب پر راجح نہ ہو۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱): راوی کو "سُوْءُ الْحِفْظ" ابتدائے حیات سے ہو اور اس کی زندگی کے تمام حالات میں برقرار رہے۔

بعض اصولی ایسے راوی کی روایت کو "شاذ" کہتے ہیں۔

(۲): "سُوْءُ الْحِفْظ" راوی کے بڑھاپے یا قوتِ بصارت کے ختم ہو جانے یا اس کی کتب ضائع ہو جانے کی وجہ سے بعد میں اس پر طاری ہو گیا ہو۔

ایسے راوی کو "مُختَلط" کہتے ہیں۔

ایسے راوی کی اختلاط سے پہلے والی روایات مقبول ہوں گی جبکہ اختلاط سے بعد والی مردود اوران روایات پر توقف کیا جائے گا جن کے متعلق قبل از اختلاط یا بعد از اختلاط کا امتیاز نہ ہو سکے۔

مرفوع، موقوف، مقطوع

انتہاءِ سند کے اعتبار سے خبر کی تین قسمیں ہیں: مرفوع، موقوف، مقطوع

مرفوع اور اس کی اقسام

مرفوع: ایسا قول، فعل یا تقریر جو صریحًا یا حکمًا رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔

اس کی چھ اقسام ہیں: (۱) مرفوع قولی صریحی، (۲) مرفوع فعلی صریحی، (۳) مرفوع تقریری صریحی، (۴) مرفوع قولی حکمی، (۵) مرفوع فعلی حکمی، (۶) مرفوع تقریری حکمی۔

(۱) مرفوع قولی صریحی: (جو صراحۃً نبی کریم ﷺ کا قول ہو) جیسے کوئی صحابیؓ کہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے فرماتے سنا، یا کوئی صحابی یا غیر صحابی (تابعی وغیرہ) کہے: رسول اللہ ﷺ ایسے فرمایا کرتے تھے۔

(۲) مرفوع فعلی صریحی: (جو صراحۃً نبی کریم ﷺ کا فعل ہو) جیسے کوئی صحابیؓ کہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا، یا کوئی صحابیؓ یا غیر صحابی (تابعی وغیرہ) کہے: رسول اللہ ﷺ ایسے کیا کرتے تھے۔

(۳) مرفوع تقریری صریحی: (جس میں صراحۃً نبی کریم ﷺ کے حاضر ہونے کا ذکر ہو) جیسے کوئی صحابیؓ کہے: میں نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ایسے کیا تھا، یا کوئی صحابیؓ یا غیر صحابی (تابعی وغیرہ) کہے: فلاں صحابیؓ نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں

ایسے کیا تھا اور اس فعل پر آپ ﷺ کے انکار کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(۴) **مرفوع قولی حکمی:** (جو صراحۃً نبی کریم ﷺ کا قول تو نہ ہو لیکن اسے یہ حکم دیا گیا ہو) جیسے اہل کتاب سے روایات نقل کرنے میں غیر معروف کوئی صحابیؓ ایسی بات کہے جس میں ذاتی رائے اور اجتہاد کی کوئی گنجائش نہ ہو نیز اس بات کا (حدیث کے) نامانوس و مشکل الفاظ کی وضاحت اور شرح کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہ ہو، جیسے صحابیؓ کا ماضی کے امور جیسے مخلوق کی ابتداء، یا مستقبل کے امور جیسے فتنے، قیامت کے احوال وغیرہ، کے متعلق خبر دینا اور اسی طرح کسی عمل کے کرنے پر مخصوص ثواب یا مخصوص سزا کا تعین کر دینا۔

(۵) **مرفوع فعلی حکمی:** (جو صراحۃً نبی کریم ﷺ کا فعل تو نہ ہو لیکن اسے یہ حکم دیا گیا ہو) جیسے کسی صحابیؓ کا ایسا عمل کرنا جس کا ذاتی رائے سے کوئی دخل نہ ہو، جیسے سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو سے زائد رکوع کیے۔

(٦) **مرفوع تقریری حکمی:** جیسے کوئی صحابیؓ اس طرح خبر دے کہ لوگ (صحابہ کرامؓ) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یہ عمل کیا کرتے تھے اور ان پر کوئی انکار نہیں کیا جاتا تھا۔

وہ عبارتیں جنہیں مرفوع روایت کا حکم دیا جاتا ہے:

کسی صحابیؓ کا کہنا کہ: ''سنت یہ ہے کہ''، ''ہمیں اس چیز کا حکم دیا گیا'' ''ہمیں فلاں چیز سے منع کیا گیا''۔

یا کسی صحابیؓ کا کسی عمل پر یہ حکم لگانا کہ یہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری یا نافرمانی ہے، جیسے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''۔ یعنی ''جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی''۔

(اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا اور امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا)

موقوف، صحابی اور اس کی صحبت کی پہچان کا طریقہ

موقوف: ایسا قول، فعل یا تقریر جو کسی صحابیؓ کی طرف منسوب ہو۔

صحابی: ایسی ہستی جو ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ سے ملی ہو اور اسے اسلام پر موت آئی ہو اور راجح قول کے مطابق اگر چہ ارتداد کے بعد پھر اسلام قبول کر لیا ہو۔

صحبت پہچاننے کا طریقہ: (صحبت درج ذیل پانچ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کے ذریعے پہچانی جاسکتی ہے):

(۱) تواتر، (۲) شہرت، (۳) بعض صحابہؓ کا کسی کی صحبت کے متعلق خبر دینا، (۴) بعض ثقہ تابعین کا خبر دینا، (۵) کسی کا اپنی صحبت کے متعلق خبر دینا بشرطیکہ اس کا دعویٰ ممکن ہو۔

مقطوع، تابعی، مخضرم اور مقطوع و منقطع میں فرق

مقطوع: ایسا قول یا فعل جو کسی تابعی یا اس سے نیچے کسی اور آدمی (جیسے تبع تابعی وغیرہ) کی طرف منسوب ہو۔

مقطوع اور اصطلاحی منقطع میں فرق: اول الذکر رفع (یعنی مرفوع ہونے) اور وقف (یعنی موقوف ہونے) کی طرح متن کی صفت ہے، جبکہ آخر الذکر تعلیق اور ارسال کی طرح سند کی صفت ہے۔

تابعی: ایسی شخصیت جو کسی صحابیؓ کو ایمان کی حالت میں ملی ہو اور اسے اسلام پر موت آئی ہو۔

مخضرم: وہ ہے جس نے زمانہ جاہلیت اور رسول اللہ ﷺ کا عہد پایا ہو لیکن نبی کریم ﷺ سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو۔

مخضرمین کی تعداد بیس سے زیادہ ہے، (ان میں سے چار یہ ہیں): احنف

بن قیس، ابو مسلم خولانی، ابو رجاء عطاردی اور ابو عثمان نہدی۔

راجح قول کے مطابق مخضرمین کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

اَلْعُلُوُّ وَالنُّزُوْلُ

(سند کا عالی اور نازل ہونا)

اللہ تعالی نے اس امت کو اپنے نبی ﷺ تک متصل سند کا خاصہ عطا فرمایا ہے۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا: "اَلْأُسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، وَلَوْلَا الْأُسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ". یعنی "سند دین ہے، اگر سند نہ ہوتی تو ہر کوئی (دین کے متعلق) جو چاہتا کہہ دیتا"۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

امام سفیان ثوریؒ نے کہا: "اَلْأُسْنَادُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ" یعنی "سند مومن کا اسلحہ ہے"۔

سند کے رواۃ کے کم ہونے کو "العُلُوّ" اور ان کی کثرت کو "النزول" کہتے ہیں، یہ دونوں سند کی صفات ہیں۔

سند کا عالی ہونا اس کے نازل ہونے سے افضل ہے بشرطیکہ عالی سند میں کسی قسم کا ضعف نہ پایا جاتا ہو، وگرنہ ضعف کی صورت میں اس عالی سند کی کوئی فوقیت نہیں ہوگی، بالخصوص جب بعض رواۃ "کذّاب" اور "مُتَّہَم بِالْکَذِب" ہوں۔

حافظ ابن صلاحؒ نے کہا: "عُلُوّ" سند کو خلل سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ سند کے ہر ایک راوی سے دانستہ طور پر یا نادانستہ طور پر خلل صادر ہونے کا احتمال ہوتا ہے، اسلئے کم رواۃ کی صورت میں خلل پیدا ہونے کا امکان کم ہو جائے گا۔

عالی اور نازل ہونے کے اعتبار سے خبر کی اقسام

سند کے عُلُوّ اور نزول کے اعتبار سے خبر کی دو قسمیں ہیں: ۱- خبر عالی، ۲- خبر نازل

۱- خبر عالی: وہ خبر ہے جس کی سند کے راویوں کی تعداد کم ہو بہ نسبت کسی دوسری سند

کے جس سے یہی خبر بکثرتِ رواۃ منقول ہو۔

۲۔ خبر نازل: وہ خبر ہے جس کی سند کے راویوں کی تعداد زیادہ ہو بہ نسبت کسی دوسری سند کے جس سے یہی خبر بہ قلتِ رواۃ منقول ہو۔

خبر عالی اور خبر نازل میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: (۱) مطلق، (۲) نسبی

خبر عالی مطلق: وہ خبر ہے جو کم تعداد راویوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ تک پہنچے بہ نسبت کسی دوسری سند کے جس سے یہی خبر بکثرتِ رواۃ منقول ہو۔

خبر نازل مطلق: (عالی مطلق کی ضد یعنی) وہ خبر ہے جو زیادہ تعداد راویوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ تک پہنچے بہ نسبت کسی دوسری سند کے جس سے یہی خبر بہ قلتِ رواۃ منقول ہو۔

خبر عالی نسبی: وہ خبر ہے جو کم تعداد راویوں کے ساتھ امام شعبہ اور امام مالک جیسے مشہور امام تک پہنچے بہ نسبت کسی دوسری سند کے جس سے یہی خبر بکثرتِ رواۃ منقول ہو۔

خبر نازل نسبی: (عالی نسبی کی ضد یعنی) وہ خبر ہے جو زیادہ تعداد راویوں کے ساتھ امام شعبہ اور امام مالک جیسے مشہور امام تک پہنچے بہ نسبت کسی دوسری سند کے جس سے یہی خبر بہ قلتِ رواۃ منقول ہو۔

أَنْوَاعُ النِّسْبِيِّ
(نسبی کی انواع)

نسبی کی چار انواع ہیں: (۱) موافقت، (۲) بدل، (۳) مساوات، (۴) مصافحہ۔

(۱) موافقت: راوی کا کسی مصنف کے شیخ تک اس مصنف کی سند کے علاوہ کسی دوسری ایسی سند کے ساتھ پہنچنا جو مصنف کی سند کی بہ نسبت عالی ہو۔

مثال: حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ امام بخاریؒ ایک حدیث امام قتیبہؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ امام مالکؒ سے ......اب اگر ہم اس حدیث کو امام بخاریؒ کے واسطے سے بیان کریں تو امام قتیبہؒ اور ہمارے درمیان آٹھ واسطے بنتے ہیں اور امام قتیبہؒ سے ابو العباس سراجؒ والی سند سے روایت کرنے کی صورت میں سات، تو کم واسطوں کی صورت میں ہمیں امام بخاریؒ کے ساتھ ان کے شیخ امام قتیبہؒ میں عالی سند کے ساتھ موافقت حاصل ہوئی ہے۔

(۲) بدل: (اسے ابدال بھی کہتے ہیں) راوی کا کسی مصنف کے شیخ کے شیخ تک اس مصنف کی سند کے علاوہ کسی دوسری ایسی سند کے ساتھ پہنچنا جو مصنف کی سند کی بہ نسبت عالی ہو۔

مثال: مذکورہ مثال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے کہا: یہی سند بعینہ ایک دوسرے طریق سے قعنبیؒ عن مالکؒ تک پہنچتی ہے، تو اس میں (امام بخاریؒ کے شیخ کے شیخ) امام قعنبی، امام قتیبہؒ سے بدل ہیں۔

زیادہ تر موافقت اور بدل کا اعتبار اس وقت کیا جاتا ہے جب یہ علو پر مشتمل ہوں، البتہ اس کے بغیر بھی ان کا استعمال ہوتا رہتا ہے۔

(۳) مساوات: راوی کی سند کے رواۃ کی تعداد کا کسی ایک مصنف کے سند کی تعداد کے برابر ہونا مساوات کہلاتا ہے۔

مثال: وہ احادیث جن کی سند میں ابن حجرؒ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان دس واسطے ہیں، امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کی روایت کی اسانید بھی دس واسطوں پر مشتمل ہیں، امام ترمذیؒ نے سورہ اخلاص کی فضیلت میں اور امام نسائیؒ نے ''کتاب الصلاۃ'' سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ: ''قل ھو اللہ أحد تعدل ثلث القرآن''۔ یعنی ''سورہ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر

ہے''، اور فرمایا: میرے علم میں کوئی ایسی سند نہیں جو اس حدیث کی سند سے زیادہ لمبی ہو، اس میں چھ تابعین پائے جاتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے ایک جزء میں دس احادیث جمع کیں اور اس کا نام ''العشرة العشارية'' رکھا، حافظ عراقی نے کہا: پہلے پہل تو مساوات (اپنے اصطلاحی معنیٰ میں) پائی جاتی تھی، لیکن عصر حاضر میں اس کا وجود مطلق تعداد میں ممکن ہے، کسی معین حدیث میں نہیں۔

(۴) مصافحہ: راوی کی سند کے رواۃ کی تعداد کا کسی ایک مصنف کے شاگرد کی سند کی تعداد کے برابر ہونا مصافحہ کہلاتا ہے۔

گویا کہ راوی مصنف کو ملا اور اس سے ملاقات کی، اسی وجہ سے اس کو مصافحہ کہتے ہیں کیونکہ عام طور پر ملاقات کرنے والے مصافحہ کرتے ہیں۔

رِوَايَةُ الْأَقْرَان وَالْمُدَبَّج

(اقران اور مدبج کی روایت)

''الْقَرِينَانِ'' ایسے دو راوی جو عمر میں اور مشائخ سے روایت لینے میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں۔

رِوَايَةُ الْأَقْرَانِ: دو ساتھیوں میں سے ایک کا دوسرے سے روایت کرنا، جیسے اعمش اپنے ساتھ تیمی سے روایت کرتے ہیں۔

رِوَايَةُ الْمُدَبَّج: یہ لفظ ''دِيبَاجَتَيِ الْوَجْهِ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ ''چہرے کے دونوں رخسار'' کا ہے، یعنی جیسے رخسار ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں اسی طرح مدبج روایت میں راوی اور مروی عنہ برابر ہوتے ہیں، اسی لئے اس روایت کو مدبج کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: دوساتھیوں میں سے ہر ایک کا دوسرے سے روایت کرنا، جیسے سیدہ عائشہؓ اور سیدنا ابوہریرہؓ کا ایک دوسرے سے روایت کرنا، اسی طرح امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام علی بن مدینیؒ جو ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

مدبج اور اقران میں عموم وخصوص کی نسبت ہے، (یعنی مدبج، اقران کے تمام افراد کو شامل ہے جبکہ اقران، مدبج کے بعض افراد کو)

اس نوع کے فوائد:

(۱) سند میں زیادتی کا گمان کرنے سے محفوظ رہنا (یعنی کوئی الاعمش عن التیمی میں التیمی کو اس وجہ سے زائد نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ تو اس کا ساتھی ہے نہ کہ شیخ)۔

(۲) "عَنْ" کا "واؤ" سے بدل جانے کا گمان کرنے سے محفوظ رہنا (یعنی کوئی عائشةؓ عن أبی هریرةؓ کو عائشةؓ وأبیؓ هریرةؓ نہ سمجھ بیٹھے)

رِوَایَةُ الْأَکَابِرِ عَنِ الْأَصَاغِرِ وَعَکْسُ ذَالِکَ

(اکابر کا اصاغر سے اور اصاغر کا اکابر سے روایت کرنا)

رِوَایَةُ الْأَکَابِرِ عَنِ الْأَصَاغِرِ: ایک راوی کا عمر میں اپنے سے چھوٹے یا علم وحفظ میں اپنے سے کم راوی سے روایت کرنا، جیسے محمد بن شہاب زہریؒ کا امام مالکؒ سے روایت کرنا، امام مالکؒ کا عبداللہ بن دینارؒ سے روایت کرنا، اسی طرح صحابہؓ کا تابعین سے روایت کرنا جیسے عبادلہ (عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ) وغیرہ کا کعب احبار تابعی سے روایت کرنا اور آباء کا ابناء سے روایت کرنا بھی اسی نوع سے متعلقہ ہے۔

اس نوع کے فوائد:

سند میں قلب کے واقع ہونے کا گمان کرنے سے اطمینان رہتا ہے کیونکہ

عام طور پر اصاغر اکابر سے روایت کرتے ہیں نہ کہ اکابر اصاغر سے (یعنی کوئی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عن کعب الاحبارؒ کو اصل میں کعب الاحبارؒ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نہ سمجھ بیٹھے)۔

روَایَةُ الْأَصَاغِرِعَنِ الْأَكَابِرِ :ایک راوی کا عمر میں اپنے سے بڑے یا علم وحفظ میں اپنے سے زیادہ راوی سے روایت کرنا، عام طور پر یہی طریقہ مروج ہے۔

ابناء کا اپنے آباء سے یا آباء واجداد دونوں سے روایت کرنا اسی نوع سے ہے۔

اَلسَّابِقُ وَ اللَّاحِقُ

(سابق اور لاحق)

اَلسَّابِقُ وَ اللَّاحِق :ایسے دو راویوں کا ایک شیخ سے روایت کرنا جو بلحاظ موت کے متقدم اور متأخر ہوں اور جن کی وفات میں بہت دوری ہو۔

مثال :ابو العباس سراج، جو امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے شیخ ہیں، سے امام بخاریؒ اور ابو الحسین خفاف دونوں روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان کی وفات میں (۱۴۰) سال کا فرق ہے، کیونکہ امام بخاریؒ ۲۵۶ھ میں فوت ہوئے جبکہ خفاف ۳۹۳ھ یا ۳۹۴ھ یا ۳۹۵ھ میں۔

اس نوع کے فوائد:

موت میں متأخر راوی کی سند میں انقطاع کا شبہ پیدا ہونے سے اطمینان رہتا ہے۔

اَلْمُهْمَل

(مہمل)

اَلْمُهْمَل :راوی کا ایسے دو مشائخ سے روایت کرنا جو اپنے ناموں یا باپ وغیرہ کے

ناموں میں بھی متفق ہوں اور سند میں کسی کی تخصیص نہ کی گئی ہو۔

ایسی صورتحال میں اگر دونوں مشائخ ثقہ ہوں تو جہالت (یعنی عدمِ تخصیص) نقصان دہ نہ ہوگی، جیسے امام بخاریؒ اور ابن وہبؒ کے درمیان احمد کا واسطہ ہے اور وہ احمد بن صالح ہے یا احمد بن عیسی، جو دونوں ثقہ ہیں، (ان میں سے جو کوئی بھی ہوگا سند صحیح رہے گی)

لیکن جب ایک راوی ثقہ ہو اور دوسرا ضعیف تو جہالت نقصان دیتی ہے، جیسے سلیمان بن داود خولانی اور سلیمان بن داود یمامی، ان میں اول الذکر ثقہ ہے اور مؤخر الذکر ضعیف۔

مہمل اور مبہم میں فرق: مہمل کا نام اشتباہ کے ساتھ مذکور ہوتا ہے لیکن مبہم کا نام سرے سے مذکور ہی نہیں ہوتا۔

مَنْ حَدَّثَ وَنَسِيَ

(راوی کا بعد از بیان بھول جانا)

مَنْ حَدَّثَ وَنَسِيَ: راوی کا اپنے شاگرد کو بیان کی ہوئی روایت کا انکار کر دینا۔

حکم: اگر شیخ حتمی اور یقینی طور پر انکار کر دے تو ایسی روایت مردود ہوگی، جیسے وہ کہے: میں نے اس شاگرد کو یہ حدیث بیان نہیں کی یا وہ مجھ پر جھوٹ بول رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یاد رہے کی ایسی صورت میں روایت کا مردود ہونا (شیخ اور شاگرد) دونوں کیلئے قادح نہیں ہوگا، کیونکہ کوئی بھی دوسرے کی بہ نسبت طعن کا زیادہ مستحق نہیں ہے۔

ہاں اگر شیخ کا انکار تردد اور شک پر مبنی ہو، جیسے وہ کہے: مجھے تو یاد نہیں، میں تو نہیں پہچان رہا وغیرہ وغیرہ تو یہ روایت شیخ کے نسیان اور شاگرد کی یادداشت پر محمول کی جائے گی، کیونکہ قطعی طور پر ثابت کرنے والا تردد کے ساتھ نفی کرنے والے پر متقدم ہوتا ہے۔

امام دار قطنیؒ نے اس موضوع پر "مَنْ حَدَّثَ وَنَسِیَ" لکھی۔

مثال: حدیث: "قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالْیَمِیْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ"۔
یعنی "رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور ایک قسم کی روشنی میں فیصلہ کیا"۔

اس روایت کو امام ابوداودؒ اور امام ترمذیؒ نے سہیل بن ابو صالح کی حدیث سے مرفوعا بیان کیا، سہیل نے اسے اپنے باپ سے اور ان کے باپ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔

عبدالعزیز بن محمد دراوردی نے کہا: ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن نے مجھے یہ حدیث سہیل سے بیان کی، جب میں خود سہیل کو ملا اور اس سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو وہ اسے نہ پہچان سکے، میں نے کہا کہ ربیعہ نے تو مجھے آپ سے بیان کی ہے۔

اس واقعہ کے بعد سہیل اس حدیث کی سند یوں بیان کرتے تھے: مجھے عبد العزیز دراوردی نے بیان کیا، انہوں نے ربیعہ سے، ربیعہ نے مجھ سے، میں نے ابو ہریرۃؓ سے مرفوعًا بیان کیا۔

اَلْمُسَلْسَل
(مسلسل)

اَلْمُسَلْسَل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے تمام یا بعض راوی، رواۃ یا روایت کے کسی وصف پر متفق ہو جائیں۔

رواۃ کی صفات سے مراد ان کے اقوال اور افعال ہیں جبکہ روایات کی صفات سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق ادائے حدیث کے صیغوں اور اس کے زمان ومکاں سے ہو۔

اس نوع کے فوائد: روایت کا رواۃ کے مزید ضبط پر مشتمل ہونا۔

مثال: حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں کہا: ابوالحسن علی بن مسلم فقیہ نے ہمیں بیان کیا اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: عبدالعزیز بن احمد نے ہمیں بیان کیا اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: ابوعمرو عثمان بن ابوبکر نے ہمیں خبر دی اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: محمد بن اسحاق عبدی نے ہمیں بیان کیا اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: احمد بن شہاب نے ہمیں خبر دی اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: سلیمان بن شعیب کیسانی نے ہمیں بیان کیا اور داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: شہاب بن خراش نے ہمیں بیان کیا اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: یزید رقاشی نے ہمیں بیان کیا اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں بیان کیا اور اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ "لَایُؤْمِنُ الْعَبْدُ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ وَحُلْوِہٖ وَمُرِّہٖ"، یعنی "کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک تقدیر پر ایمان نہیں لاتا، وہ تقدیر خیر ہو یا شر، میٹھی ہو یا کڑوی" اور نبی کریم ﷺ نے اپنی داڑھی مبارک پکڑی اور فرمایا: "آمَنْتُ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ وَحُلْوِہٖ وَمُرِّہٖ" یعنی "میں تقدیر پر ایمان لایا وہ خیر ہو یا شر، میٹھی ہو یا کڑوی"۔

اسی طرح سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اَنِّیْ اُحِبُّکَ فَقُلْ دُبُرَ کُلِّ صَلَاۃٍ "اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ"۔ یعنی "اے معاذ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، تو ہر نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھا کر "اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ" یعنی اے اللہ! تو اپنا ذکر کرنے، شکر ادا کرنے اور اچھے انداز میں اپنی عبادت کرنے میں میری معاونت فرما۔ (اسے امام ابوداود اور امام نسائی نے روایت کیا)

جس راوی نے یہ روایت بیان کی اس نے ان الفاظ کا تسلسل برقرار رکھا: "اَنِّیْ اُحِبُّکَ فَقُلْ دُبُرَ کُلِّ صَلَاۃٍ "اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ... اِلٰی آخِرِہٖ

اَلْمُتَّفِقُ وَالْمُفْتَرِقُ، اَلْمُؤْتَلِفُ وَالْمُخْتَلِفُ، اَلْمُتَشَابِہُ

(متفق و مفترق، مؤتلف و مختلف، متشابہ)

رواۃ کے اسماء، القاب اور انساب میں سے متفق اور مفترق، مؤتلف اور مختلف اور متشابہ علومِ حدیث کی اہم ترین اقسام ہیں۔

جو شخص علمِ حدیث کے ساتھ وابستہ تو ہے لیکن ان علوم سے ناواقف ہے تو وہ لغزش سے بے خوف اور جرح کا سبب بننے والے طعن سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اَلْمُتَّفِقُ وَالْمُفْتَرِقُ: رواۃ کے اسماء یا ان کے آباء کے اسماء کا بھی تلفظ اور خط دونوں میں متفق ہونا اور ان کی ذاتوں (مسمّٰی) کا مختلف ہونا متفق و مفترق کہلاتا ہے، جیسے عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس (جو صرف ناموں میں متفق ہیں) اور عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ (جو اپنے اور آباء کے ناموں میں بھی متفق ہیں)۔

اس نوع کے فوائد: اشتباہ اور اختلاط سے محفوظ رہنا۔

اس نوع سے ناواقفیت کی بناء پر بسا اوقات متعدد ہم نام رواۃ کو ایک گمان کر لیا جاتا ہے، جیسا کہ بعض علماء سے یہ غلطی سرزد ہوئی اور کبھی کبھار ایسے ہم نام رواۃ میں سے بعض ضعیف ہوتے ہیں (جبکہ بعض ثقہ، اشتباہ کی بناء پر) ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ قرار دیا جاتا ہے۔

اَلْمُؤْتَلِفُ وَالْمُخْتَلِفُ: رواۃ کے اسماء یا القاب یا انساب کا خط میں متفق اور تلفظ میں مختلف ہونا مؤتلف و مختلف کہلاتا ہے، جیسے مِسْوَر اور مُسَوَّر (دونوں اسماء لکھنے

میں متفق ہیں لیکن بولنے میں پہلا مِسْوِر جبکہ دوسرا مُسَوَّر) کی طرح سَلام اور سُلَاھ۔

فوائد: تصحیف اور تحریف سے محفوظ رہنا۔ (تصحیف اور تحریف کی وضاحت "اسباب الطعن فی الراوی" کے ساتویں سبب میں گزر چکی ہے)

اَلْمُتَشَابِه: رواۃ کے اسماء کا تلفظ اور خط دونوں میں متفق ہونا اور ان کے آباء کے اسماء کا تلفظ میں مختلف اور خط میں متفق یا اس کے برعکس ہونا (یعنی آباء کے اسماء کا تلفظ اور خط دونوں میں متفق ہونا اور رواۃ کے اسماء کا تلفظ میں مختلف اور خط میں متفق ہونا) متشابہ کہلاتا ہے، جیسے محمد بن عَقِیل اور محمد بن عُقَیل (رواۃ کے اسماء میں مکمل اور آباء کے اسماء میں صرف خطًا اتفاق ہے) مشہور تابعی شُرَیح بن النعمان اور امام بخاری کے شیخ سُرَیج بن النعمان (رواۃ کے اسماء میں صرف خطًا اور آباء کے اسماء میں مکمل اتفاق ہے)

(یاد رہے کی قدیم عرب، جو حفظ وضبط میں انتہائی تیز تھے، الفاظ پر نقطے نہیں لگاتے تھے، اگر شُریح اور سُریج سے نقطے ہٹا دیئے جائیں تو لکھنے میں "سرح" ہوگا، لیکن بولنے میں شریح اور سریج ہوگا)

تَحَمُّلُ الْحَدِیْثِ وَأَدَاءُ ہ
(تحمّلِ حدیث اور ادائے حدیث)

تَحَمُّلُ الْحَدِیْثِ: مشائخ سے حدیث روایت کرنا اور حاصل کرنا۔

راجح ترین مسلک کی رو سے تحملِ حدیث کیلئے راوی میں معتبر چیز سمجھ بوجھ اور تمیز ہے۔

اَلْأَدَاءُ: احادیث کو روایت کرنے کے بعد آگے بیان کرنا۔

جن رواۃ کی روایات حجت ہوتی ہیں ان میں عدالت اور ضبط کا پایا جانا مشروط ہے۔

طُرُقُ التَّحَمُّلِ وَصِيَغُ الْأَدَاءِ

(تحملِ حدیث کے طریقے اورادائے حدیث کے صیغے)

(۱-اَلسَّمَاعُ، ۲-اَلْقِرَاءَةُ، ۳-اَلْاَجَازَةُ، ۴-اَلْمُنَاوَلَةُ، ۵-اَلْمُكَاتَبَةُ، ۶-اَلْاَعْلَامُ، ۷-اَلْوَصِيَّةُ، ۸-اَلْوِجَادَةُ)

۱-السماع (سماع): یعنی شیخ کا اپنے حفظ سے یا کتاب سے احادیث بیان کرنا اور راوی کا سننا۔

تحملِ حدیث کا یہ طریقہ باقی سب طریقوں سے اعلیٰ ہے۔

اس طریقہ کی ادائیگی کی صورتیں: سَمِعْتُ أَوْ سَمِعْنَا فُلَانًا (میں نے یا ہم نے فلاں شیخ سے سنا)، ثُمَّ حَدَّثَنِیْ أَوْ حَدَّثَنَا (مجھے یا ہم کو فلاں شیخ نے بیان کیا)، ثُمَّ اخْبَرَنِیْ أَوْ أخْبَرَنَا (مجھے یا ہم کو فلاں شیخ نے خبر دی)، ثُمَّ أَنْبَأَنِیْ وَنَبَّأَنِیْ أَوْ أَنْبَأَنَا وَنَبَّأَنَا (مجھے یا ہم کو فلاں شیخ نے خبر دی)۔

پہلا لفظ سماع پر دلالت کرنے میں زیادہ واضح ہے (نیز سماع پر دلالت کرنے میں ہر اول الذکر کا مرتبہ ہر مؤخر الذکر سے زیادہ ہے)

۲-القراءۃ (قراءت): یعنی راوی کا شیخ پر پڑھنا، بعض اصولی اس طریقہ کو "عرض" کہتے ہیں، (جس کا معنی پیش کرنے کا ہے) کیونکہ راوی جو کچھ پڑھتا ہے اسے اپنے شیخ پر پیش کر رہا ہوتا ہے۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑھتا کہ طالب علم خود شیخ پر اپنے حفظ سے یا کتاب سے پڑھ رہا ہو یا کوئی اور پڑھے اور وہ سن رہا ہو، نیز جو کچھ پڑھا جا رہا ہو شیخ اس کا حافظ ہو یا وہ یا کوئی اور ثقہ راوی اصل نسخے سے دیکھ کر سن رہا ہو۔

اس طریقہ کی ادائیگی کی صورتیں: قَرَأْتُ (میں نے فلاں شیخ پر پڑھا)، قُرِأَ

عَلٰی فُلَانٍ وَأَنَا أَسْمَعُ (فلاں شیخ پر پڑھا جا رہا تھا اور میں سن رہا تھا) نیز اس طریقے کو سماع والے صیغوں کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ قراءت کی قید لگائی گئی ہو، جیسے حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ قِرَاءَةً عَلَیْهِ (فلاں نے مجھے بیان کیا اس حال میں کہ اس پر پڑھا جا رہا تھا)

مرتبہ کے لحاظ سے ''عرض'' مرتبے میں ''سماع'' کے مساوی ہے یا اس سے کم یا اس سے زیادہ؟

مختلف اقوال ہیں، جن میں سے راجح یہ کہ سماع کا مرتبہ زیادہ ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا اسوہ ہے، جو لوگوں کو قرآن مجید سناتے اور انہیں سنتیں سکھاتے تھے۔

۳-الأجازة (اجازت): شیخ کا لفظی طور پر یا لکھ کر اپنی احادیث کو روایت کرنے کی اجازت دینا۔

اس کی پانچ اقسام ہیں:

(أ): معین افراد کو معین احادیث روایت کرنے کی اجازت دینا، جیسے شیخ کہے: میں تجھے صحیح مسلم روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(ب): معین افراد کو غیر معین احادیث روایت کرنے کی اجازت دینا، جیسے شیخ کہے: میں تجھے وہ تمام احادیث روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے سنی ہیں۔

(ج): غیر معین افراد کو معین احادیث روایت کرنے کی اجازت دینا، جیسے شیخ کہے: میں ہر اس شخص کو صحیح بخاری روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں جس نے مجھے پایا۔

(د): غیر معین افراد کو غیر معین احادیث روایت کرنے کی اجازت دینا، جیسے شیخ کہے: میں اپنے ہم عصروں کو اپنی تمام احادیث روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(ھ): ایسے معدوم شخص کو اجازت دینا جو موجود فرد کے تابع ہو، جیسے شیخ کہے: میں

فلاں آدمی کو اور آج کے بعد اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو فلاں فلاں احادیث روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

۴-المناولة (مناولہ): اس کی دو قسمیں ہیں:

۱-اَلْـمُـنَاوَلَةُ الْمَقْرُوْنَةُ بِالْاُجَازَةِ (مناولہ مع اجازت): یہ علی الاطلاق اجازت کی اعلیٰ قسم ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنا اصل یا اس سے تقابل کیا گیا نسخہ اپنے شاگرد کو دیتے ہوئے کہے کہ یہ فلاں شیخ سے میری روایات ہیں جو تو مجھ سے روایت کرسکتا ہے۔

شرط یہ ہے کہ اب یہ نسخہ شاگرد کے پاس عاریۃً یا ھبۃً یا تملیکاً رہنا چاہئے تاکہ وہ اسے آگے بیان کرسکے۔

۲-اَلْمُنَاوَلَةُ الْمُجَرَّدَةُ عَنِ الْاُجَازَةِ (مناولہ جس میں اجازت نہ ہو): اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنا اصل یا اس کے قائم مقام نسخہ اپنے شاگرد کو تھماتے ہوئے صرف یہ کہے کہ یہ فلاں شیخ سے میری سماعت کردہ یا روایت کردہ احادیث ہیں۔

جمہور نے مناولہ کی اس قسم کو معتبر نہیں سمجھا۔

اجازت یا مناولہ کی ادائیگی کی صورتیں: "حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ اُجَازَةً أَوْ مُنَاوَلَةً" (فلاں نے مجھے اجازت یا مناولہ کی صورت میں بیان کیا)، أَخْبَرَنِیْ فُلَانٌ اُجَازَةً أَوْ مُنَاوَلَةً (فلاں نے مجھے اجازت یا مناولہ کی صورت میں بیان کیا) وغیرہ وغیرہ۔

۵-المکاتبة (مکاتبت): شیخ کا اپنی سماعت کردہ روایات کسی موجود یا غیر موجود راوی کیلئے اپنے خط یا اپنے حکم سے لکھوا دینا مکاتبت کہلاتا ہے۔

مناولہ کی طرح اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱-اَلْـمُـكَاتَبَةُ الْمَقْرُوْنَةُ بِالْاُجَازَةِ (مکاتبہ مع اجازت): یہ قسم صحت اور قوت میں "اَلْمُنَاوَلَةُ الْمَقْرُوْنَةُ بِالْاُجَازَةِ" کی طرح ہے۔

۵-اَلْمُکَاتَبَةُ الْمُجَرَّدَةُ عَنِ الْأَجَازَةِ (مکاتبہ جس میں اجازت نہ ہو): صحت اور قوت میں اس کا حکم ''اَلْمُنَاوَلَةُ الْمُجَرَّدَةُ عَنِ الْأَجَازَةِ'' کی طرح ہے۔

مکاتبہ کی ادائیگی کی صورتیں: ''حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ مُکَاتَبَةً'' (فلاں نے مجھے مکاتبت کی صورت میں بیان کیا)، ''کَتَبَ اِلَیَّ فُلَانٌ'' (فلاں نے میری طرف لکھا) وغیرہ وغیرہ۔

۶-الأعلام (اعلام): شیخ کا صرف یہ کہنا کہ یہ کتاب فلاں سے میری سماعت کردہ روایات پر مشتمل ہے۔ (اعلام کا لغوی معنی ''خبر دینا'' ہے)

۷-الوصیة (وصیت): شیخ کا اپنی موت یا کسی سفر کے وقت کسی کیلئے اپنی کتاب کی وصیت کرنا۔

وصیت کی ادائیگی کی صورتیں: ''أَوْصٰی اِلَیَّ فُلَانٌ'' (فلاں نے میرے لئے وصیت کی) وغیرہ وغیرہ۔

۸-الوجادة (وجادت): راوی کا کوئی ایسی حدیث یا کتاب پالینا جو اس کے شیخ کے خط سے لکھی گئی ہو اور وہ اس خط کو پہچانتا ہو۔

وجادت کی ادائیگی کی صورت: ''وَجَدْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ'' (میں نے یہ حدیث فلاں شیخ کے خط سے لکھی ہوئی پائی)، ''قَرَأْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ'' (میں نے فلاں شیخ کے خط سے لکھی ہوئی حدیث پڑھی) وغیرہ وغیرہ۔

وجادہ کے ساتھ روایت کرنا منقطع کی ایک صورت ہے۔

راجح مسلک کے مطابق ''اعلام''، ''وصیت'' اور ''وجادت'' کے ذریعے روایت کی جانے والی احادیث کی صحت کیلئے اجازت شرط ہے۔

اَلْجَرْحُ وَالتَّعْدِیْلُ

(جرح اور تعدیل)

راوی کو مجروح یا عادل قرار دینے والا امام درج ذیل صفات سے متصف ہو:

علم، تقویٰ، ورع (دیانتداری)، صدق (سچائی)، تعصب سے اجتناب، توثیق وتجریح کے اسباب کی معرفت۔

توثیق وتجریح اس وقت تک مقبول نہیں ہوں گی جب تک وہ امام بیدار مغز (باخبر) اوران کے اسباب کو پہچاننے والا نہ ہو جس سے یہ صادر ہورہی ہوں۔

جب ایک راوی کے حق میں جرح مفسر اور تعدیل کا تعارض پیدا ہو جائے تو جرح مفسر کو مقدم کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا: اصولیوں کا یہ قاعدہ کہ ''صرف جرح مفسر مقبول ہوگی (مبہم نہیں)'' ان رواۃ کے متعلق ہے جن کی توثیق وتجریح میں اختلاف کیا گیا ہو، رہا مسئلہ ان رواۃ کا جو اس قدر مجہول ہیں کہ ان کے بارے میں صرف کسی محدث کا یہ قول ملا ہے کہ وہ ''متروک'' ہیں یا ضعیف وغیرہ وغیرہ، تو ایسے میں اس قول (مبہم جرح) کو معتبر سمجھا جائے گا۔

یاد رہے کہ جرح وتعدیل میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: (۱) مفسر: وہ جرح یا تعدیل جس کے سبب کی وضاحت کی گئی ہو۔ (۲) مبہم: وہ جرح یا تعدیل جس کے سبب کی وضاحت نہ کی گئی ہو۔

مَرَاتِبُ التزكية وَالتَّجْرِيْحِ

(توثیق وتجریح کے مراتب)

سخاوی نے نے ''الألفية'' کی شرح میں اور شیخ اکرم سندی نے ''امعان النظر بشرح شرح نخبة الفكر'' میں توثیق اور تجریح میں سے ہر ایک کے الفاظ کے چھ مراتب بنائے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

مَرَاتِبُ التَّعْدِيْلِ

(تعدیل یعنی توثیق کے مراتب)

پہلا مرتبہ (جو سب مراتب سے اعلیٰ ہے): ایسا وصف جو مبالغہ پر دلالت کرے یا جسے اسم تفضیل سے تعبیر کیا جائے، جیسے "فُلَانٌ أَوْثَقُ النَّاسِ" (فلاں راوی سب سے زیادہ ثقہ ہے) یا، "أَثْبَتُ النَّاسِ" (فلان راوی سب سے زیادہ حدیث کو یاد رکھنے والا ہے)، یا "أَلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِي الضَّبْطِ" (فلاں راوی پر توضبط کی انتہا ہو گئی ہے)، یا "لَا أَعْرِفُ لَهُ نَظِيْرًا" (میرے علم کے مطابق فلاں راوی عدیم النظیر ہے) وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا مرتبہ: جیسے "فُلَانٌ لَا يُسْأَلُ عَنْهُ" (فلاں راوی کی ثقاہت کے بارے میں سوال کرنا ہی بے جا ہے یا فلاں راوی کی ثقاہت کے کیا کہنے)

تیسرا مرتبہ: توثیق پر دلالت کرنے والی صفات کو تاکید کے ساتھ لانا، جیسے "ثِقَةٌ ثِقَةٌ" یا "ثَبْتٌ حُجَّةٌ" یا "ثِقَةٌ ضَابِطٌ" وغیرہ وغیرہ۔

اس ضمن میں زیادہ تاکیدات ابن عیینہ کے قول میں پائی گئی ہیں، جیسا کہ انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے بیان کیا اور ثقہ تھے، ثقہ تھے، ثقہ تھے..... یہاں تک کہ نو دفعہ کہا۔

چوتھا مرتبہ: توثیق پر دلالت کرنے والی صفات، جو بغیر تاکید کے ہوں، جیسے "ثِقَةٌ" یا "ثَبْتٌ" یا "حُجَّةٌ" وغیرہ وغیرہ۔

پانچواں مرتبہ: جیسے "صَدُوْقٌ" (صدوق) یا "مَأْمُوْنٌ" (مامون) یا "لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ" (فلاں راوی میں کوئی حرج نہیں یا فلاں راوی نا قابل اعتراض ہے) یا "لَا بَأْسَ بِهٖ" (پچھلے لفظ والا معنی ہے) (آخری دو اصطلاحات کا مرتبہ ابن معین کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک چوتھا ہے)

بدر بن جماعہ نے اپنی کتاب "مختصر" میں کہا: ابن معین نے کہا کہ جب میں

کسی راوی کے حق میں "لَابَأْسَ بِهٖ" یا "لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ" کہوں تو وہ ثقہ ہوگا، یہ ابن معین نے اپنی خاص اصطلاح کے متعلق خبر دی ہے، اسی قسم کی بات مقدمہ ابن صلاح میں بھی ہے۔

چھٹا مرتبہ: جو تجریح کے مراتب کے قریب ہونے کا احساس دلائے، اور یہ توثیق کا سب سے ادنی مرتبہ ہے۔ اس مرتبے پر دلالت کرنے والے بعض الفاظ یہ ہیں: "فُلَانٌ لَيْسَ بِبَعِيْدٍ عَنِ الصَّوَابِ" (فلاں درستگی سے بعید نہیں)، "شَيْخٌ" (شیخ ہے)، "يُعْتَبَرُ بِهٖ" (وہ معتبر ہے)، "شَيْخٌ وَسَطٌ" (متوسط شیخ ہے)، "رَوٰى عَنْهُ النَّاسُ" (لوگوں نے اس سے روایت لی ہے)، "صَالِحُ الْحَدِيْثِ" (صالح الحدیث یعنی حدیث روایت کرنے کے لائق ہے)، "يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ" (اس کی حدیث لکھی جاتی ہے)، "مُقَارِبُ الْحَدِيْثِ" (اس کی احادیث دوسرے ثقات رواۃ کی احادیث کے قریب قریب ہیں)، "صُوَيْلِحٌ" (صالح کی تصغیر ہے، یعنی وہ متوسط صالح ہے)، "صَدُوْقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ" (ان شاءاللہ صدوق ہے)، "أَرْجُوْا أَنْ لَا بَأْسَ بِهٖ" (مجھے امید ہے کہ فلاں راوی نا قابلِ اعتراض ہے) وغیرہ وغیرہ۔

سخاوی نے کہا: ان مراتب والے رواۃ کا حکم یہ ہے کہ پہلے چار مراتب سے متصف رواۃ قابلِ حجت ہیں، پانچویں مرتبے والے راوی حجت تو نہیں البتہ ان کی احادیث لکھ کر (ثقات کی احادیث سے ان کا تقابل کر کے) انہیں پرکھا جاتا ہے (کہ آیا وہ صحیح ہیں یا ضعیف)، چھٹے مرتبے والے راوی کا درجہ پانچویں مرتبے والے راوی سے کم ہے، بعض محدثین اعتبار کیلئے ان رواۃ کی احادیث لکھ لیتے ہیں اور ان کے ضبط کا معاملہ واضح ہونے کی وجہ ان کو جانچتے نہیں۔

مَرَاتِبُ الْجَرْحِ (جرح کے مراتب)

پہلا مرتبہ (جو بدترین اور سب سے گھٹیا ہے): جو مبالغہ پر دلالت کرے، جیسے

"فُلَانٌ أَكْذَبُ النَّاسِ" (فلاں راوی سب سے زیادہ جھوٹا ہے) یا "إِلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِى الْكَذِبِ" (فلاں راوی پر تو جھوٹ بولنے میں بس ہے) یا "هُوَ رُكْنُ الْكَذِبِ" (فلاں راوی جھوٹ کا رکن ہے) یا "مَعْدِنُه" (فلاں راوی جھوٹ کی کان ہے) وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا مرتبہ: جو پہلے مرتبے سے کم ہو اگرچہ مبالغہ پر دلالت کرے، جیسے "فُلَانٌ دَجَّالٌ" (فلاں راوی دجال ہے) یا "كَذَّابٌ" (جھوٹا ہے) یا "وَضَّاعٌ" (خود ساختہ احادیث گھڑنے والا ہے) اور اسی طرح "يَضَعُ الْحَدِيْثَ" (فلاں راوی احادیث گھڑتا ہے) یا "يَكْذِبُ" (فلاں راوی حدیث میں جھوٹ بولتا ہے)

تیسرا مرتبہ: جیسے "فُلَانٌ مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ أَوْ بِالْوَضْعِ" (فلاں راوی متہم بالکذب یا متہم بالوضع ہے، ان دو الفاظ سے مراد راوی کا عام گفتگو میں جھوٹ بولنا ہے نہ کہ احادیث میں) یا "يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ" (فلاں راوی احادیث چوری کرتا ہے) یا "سَاقِطٌ" (فلاں راوی ساقط یعنی محدثین کے اعتبار سے گرا ہوا ہے) یا "مَتْرُوْكٌ" (فلاں راوی متروک ہے یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے) یا "هَالِكٌ" (فلاں راوی ہلاک ہونے والا ہے) یا "ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ" (فلاں راوی احادیث کو خلط ملط کرنے والا ہے) یا "تَرَكُوْهُ" (فلاں راوی کو محدثین نے ترک کر دیا ہے) یا "لَا يُعْتَبَرُ بِهِ" (فلاں راوی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا) یا "لَيْسَ بِثِقَةٍ" (فلاں راوی ثقہ نہیں)

چوتھا مرتبہ: جیسے "فُلَانٌ رُدَّ حَدِيْثُه" (فلاں راوی کی احادیث کو رد کر دیا گیا ہے) یا "مَرْدُوْدُ الْحَدِيْثِ" (فلاں راوی کی احادیث مردود ہیں) یا "ضَعِيْفٌ جِدًّا" (وہ بہت ضعیف ہے) یا "وَاهٍ بِمَرَّةٍ" (فلاں راوی حتمی طور پر ضعیف ہے) یا "طَرَحُوْهُ" (فلاں راوی کو محدثین نے دور پھینک دیا یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا) یا "لَا يُكْتَبُ

حَدِیْثُہ" (فلاں راوی کی احادیث نہیں لکھی جاتیں یعنی وہ اس کے قابل ہی نہیں) یا "لَا تَحِلُّ الرِّوَایَۃُ عَنْہُ" (فلاں راوی سے روایت کرنا حلال نہیں) یا "لَیْسَ بِشَیْءٍ" (فلاں راوی کی کی کوئی حیثیت نہیں)، (آخری اصطلاح کا مرتبہ ابن معین کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک چوتھا ہے)

امام سخاوی نے "شرح الألفیۃ" میں کہا کہ ابن قطان نے کہا: جب امام ابن معین کسی راوی کے حق میں "لَیْسَ بِشَیْءٍ" کہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ قلیل الحدیث ہے، اسی قسم کی بات فتح الباری کے مقدمہ میں بھی ہے۔

پانچواں مرتبہ: جیسے "فُلَانٌ لَا یُحْتَجُّ بِہٖ" (فلاں راوی سے حجت نہیں پکڑی جاتی) یا "ضَعَّفُوْہُ" (محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا) یا "مُضْطَرِبُ الْحَدِیْثِ" (فلاں راوی کی احادیث میں اضطراب ہے) یا "ضَعِیْفٌ" (فلاں راوی ضعیف ہے) یا "لَہٗ مَا یُنْکَرُ" (اس کی ایسی احادیث بھی ہیں جن کا انکار کیا جاتا ہے) یا "لَہٗ مَنَاکِیْرُ" (اس کی احادیث ایسی بھی ہیں جو انکار شدہ ہیں) یا "مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ" (وہ منکر الحدیث ہے)، (آخری اصطلاح کا مرتبہ امام بخاریؒ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک پانچواں ہے)

حافظ ذہبیؒ نے ابان بن جبلہ کوفی اور سلیمان بن داود یمامی کے ترجمہ میں کہا: امام بخاریؒ نے کہا: جب میں کسی راوی کے حق میں "مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ" کہوں تو اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہوتی۔

چھٹا مرتبہ (جو جرح کے مراتب میں نرم اور ہلکا ہے): جیسے "فُلَانٌ فِیْہِ مَقَالٌ" (فلاں راوی پر کلام یعنی نقد ہے) یا "أَدْنٰی مَقَالٍ" (فلاں راوی پر معمولی نقد ہے) یا "یُنْکَرُ مَرَّۃً وَّیُعْرَفُ أُخْرٰی" (کبھی اس احادیث کو منکر اور کبھی معروف کہا جاتا ہے) یا "لَیْسَ بِذَاکَ" (اُس مرتبے کا نہیں) یا "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" (قوی نہیں) یا

"لَیْسَ بِالْمَتِیْنِ" (مضبوط راوی نہیں) یا "لَیْس بِحُجَّةٍ" (حجت نہیں) یا "لَیْس بِعُمْدَةٍ" (معتبر نہیں) یا "لَیْسَ بِالْحَافِظِ" (حافظ نہیں) یا "فِیْهِ شَیْءٌ" (اس میں کوئی قابلِ اعتراض چیز ہے) یا "فِیْـهِ جِهَـالَةٌ" (اس میں جہالت ہے) یا "سَیِّیءُ الْـحِفْظِ" (سیئ الحفظ یعنی کمزور حافظے والا ہے) یا "لَیِّنُ الْـحَـدِیْـثِ" (اس کی حدیث میں لین یعنی کمزوری ہے) یا "فِیْهِ لِیْنٌ" (اس میں لین یعنی کمزوری ہے)۔

درج ذیل اصطلاحات کا تعلق بھی اسی مرتبے سے ہے:

"فُلَانٌ تَـكَـلَّـمُـوْا فِیْـهِ" (فلاں راوی پر محدثین نے کلام یعنی نقد کیا) یا "فُلَانٌ فِیْـهِ نَـظَرٌ" (فلاں راوی محل نظر ہے) یا "سَـكَـتُـوْا عَنْـهُ" (محدثین نے فلاں راوی کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے)، آخری دو اصطلاحات کا مرتبہ امام بخاریؒ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک چھٹا ہے۔

حافظ عراقی نے اپنی الفیہ کی شرح میں کہا: امام بخاریؒ یہ دو اصطلاحات "فُلَانٌ فِیْهِ نَظَرٌ" اور "سَكَتُوْا عَنْهُ" ان رواۃ کے حق میں استعمال کرتے ہیں جن کی احادیث کو محدثین نے ترک کر دیا ہو۔

امام سخاوی نے شرح الالفیہ میں کہا: ان چھ مراتب سے متصف رواۃ کا حکم یہ ہے کہ پہلے چار مراتب والے راوی نہ حجت بن سکتے ہیں اور نہ انہیں استشہاد یا اعتبار کیلئے پیش کیا جا سکتا ہے، البتہ پانچویں اور چھٹے مرتبے والے راویوں کی احادیث اعتبار کیلئے لی جا سکتی ہیں۔ (استشہاد اور اعتبار کی وضاحت "المتابع والشاهد والاعتبار" والے سبق میں دیکھیں)

مَعْرِفَةُ الْأَسْمَاءِ وَالْكُنٰى وَالْأَنْسَابِ وَالْأَلْقَابِ وَالْمَوَالِیْ

(اسماء، کنیتوں، انساب، القاب اور موالی کی پہچان)

اس چیز کی بھی ضرورت ہے کہ کنیتوں والے رواۃ کے اسماء کو اور اسماء والے

رواۃ کی کنیتوں کو پہچانا جائے، کیونکہ بسا اوقات راوی کو نام کے ساتھ اور کبھی کبھار کنیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور اس نوع کی معرفت سے ناواقف آدمی ایسی صورت کو دو راویوں سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ وہ ایک ہوتا ہے۔

اس نوع کی کئی اقسام ہیں:

(۱)۔وہ رواۃ جو کنیتوں کے ساتھ نہیں بلکہ اسماء کے ساتھ مشہور ہو گئے یا اس صورت کے برعکس، جیسے طلحہ بن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن عوف، حسن بن علی (جو اپنے ناموں کے ساتھ مشہور ہیں) ان میں ہر ایک کی کنیت ابو محمد ہے اور جیسے ابو ادریس خولانی، ابو اسحاق سبیعی (جو کنیتوں کے ساتھ مشہور ہیں) اول الذکر کا نام عائذ اللہ ہے جبکہ مؤخر الذکر کا نام عمرو۔

(۲)۔وہ رواۃ جن کے اسماء ان کی کنیتیں ہیں، جیسے شریک سے روایت کرنے والے ابو بلال الأشعری اور ابو حاتم رازی سے روایت کرنے والے ابو حصین، ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ میرا نام (یعنی بلال یا حصین) ہی میری کنیت ہے۔

(۳)۔وہ رواۃ جن کے ناموں میں اختلاف کیا گیا ہو، سیدنا ابو ہریرہؓ کے نام اور ان کے والد کے نام کے بارے میں تقریباً تیس اقوال ہیں، مشہور ترین قول عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔

(۴)۔وہ رواۃ جن کی کنیتوں میں اختلاف کیا گیا ہو، جیسے اسامہ بن زیدؓ کی کنیت کے بارے میں تین اقوال ہیں: ابو خارجہ یا ابو محمد یا ابو عبداللہ۔

(۵)۔وہ رواۃ جن کی کئی کنیتیں ہوں، جیسے ابن جریج کی دو کنیتیں ہیں: ابو خالد، ابو الولید۔

(۶)۔وہ رواۃ جن کی کنیتیں ان کے آباء کے اسماء کے موافق ہوں یا اس کے برعکس (یعنی باپ کی کنیت بیٹے کے نام کے موافق ہو)، جیسے ابو مسلم اغر بن مسلم مدنی جو سیدنا

ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے، اسی طرح ابو اسحاق بن ابو اسحاق طالقانی اور اس کے برعکس جیسے اسحاق بن ابو اسحاق سبیعی۔

(۷)-وہ رواۃ جن کے آباء کے اسماء ان کے مشائخ کے اسماء کے موافق ہوں، جیسے ربیع بن انس جو سیدنا انسؓ سے روایت کرتے ہیں، اس کا باپ بکری تھا اور شیخ خادم النبی ﷺ سیدنا انس بن مالکؓ۔

(۸)-وہ رواۃ جن کے تلامذہ کے اسماء ان کے مشائخ کے اسماء سے موافق ہوں، جیسے امام بخاریؒ جن کے شاگرد صاحب الصحیح امام مسلم ہیں اور شیخ مسلم بن ابراہیم فراہیدی، اس نوع سے ناواقف انسان "حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنِ الْبُخَارِیِّ عَنْ مُسْلِمٍ" (ہمیں مسلم نے بیان کیا، انہوں نے بخاری سے اور بخاری نے مسلم سے) جیسی سند کو مقلوب یا مکرر خیال کرے گا، حالانکہ یہ سند درست ہے (کیونکہ پہلے "مسلم" امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں اور دوسرے "مسلم" ان کے شیخ، نہ کہ دونوں ایک شخص کا نام ہیں)

(۹)-وہ رواۃ جن کے اسماء ان کے مشائخ اور مشائخ کے مشائخ کے اسماء سے موافق ہوں، جیسے "عمران عن عمران عن عمرانؓ" پہلا عمران قصیر ہے، دوسرا عمران ابو رجاء عطاردی اور تیسرا عمران بن حصینؓ جو معروف صحابی ہیں۔

(۱۰)-وہ رواۃ جن کے اسماء ان کے آباء اور اجداد کے اسماء کے موافق ہوں، جیسے

الحسن بن الحسن بن الحسنؓ بن علیؓ بن ابو طالب

۱۱-وہ رواۃ جن کی کنیتیں ان کی بیویوں کی کنیتوں سے موافق ہوں، جیسے ابو ایوبؓ اور ام سلمہ ام ایوبؓ، جو دونوں صحابی ہیں۔

جس طرح کنیتوں سے خالی اسماء اور اسماء سے خالی کنیتوں کو پہچاننا ضروری ہے، اسی طرح ان اسماء، کنیتوں اور القاب کو پہچاننا بھی لازمی ہے جو مفرد ہیں یعنی جن کا مسمّٰی صرف ایک آدمی ہوتا ہے۔

مفرد اسماء کی مثال: احمد بن عجیان، سَندر مولی زنباع جذامی، (یعنی عجیان اور سند صرف ایک ایک راوی کے نام ہیں)

مفرد کنیتوں کی مثال: ابو العشراء جس کا نام اسامہ ہے، ابو العُبَیدین جس کا نام معاویہ بن سبرہؓ ہے، جو سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ہے،

مفرد القاب کی مثال: نبی کریم ﷺ کا غلام سفینہؓ جس کا نام عمیر یا مہرانؒ یا صالح ہے، سحنون عبدالسلام بن سعیدؒ قیروانی

رواۃ کے اسماء اور کنیتوں کی طرح ان کے القاب اور انساب سے معرفت بھی ضروری ہے۔

لقب کبھی اسم کی صورت میں پایا جاتا ہے، جیسے نبی کریم ﷺ کا خادم سفینہؓ اور کبھی کنیت کی صورت میں، جیسے سیدنا علیؓ بن ابوطالب کا لقب ابو تراب ہے۔

اسی طرح راوی کی نسبت اس کی مصیبت (نقص) یا فن یا پیشے کی طرف ہوتی ہے جیسے اَلْأَعْرَج (لنگڑا، جو نقص ہے)، اَلْخَیَّاط (درزی، جو فن ہے)، اَلْبَزَّاز (کپڑا فروخت کرنے والا، جو پیشہ ہے)

نسبت کبھی آدمی کے قبیلے، جو ایک باپ کی اولاد ہوتا ہے، کی طرف ہوتی ہے، جیسے القرشی (قریش قبیلے کی طرف نسبت)، الدوسی (دوس قبیلے کی طرف نسبت) اور کبھی وطن کی طرف، وطن سے مراد کسی شہر کی صورت میں انسان کی جائے اقامت یا جاگیر یعنی کھیت یا گلی یا محلہ ہے، جیسے البغدادی (شہر کی طرف نسبت)، الضیعی (جاگیر کی طرف نسبت)، القطیعی (محلّے کی طرف نسبت)، الدار قطنی (محلّے کی طرف نسبت)، قطیعۃ دقیق اور دار قطن بغداد کے دو محلوں کے نام ہیں۔

بسا اوقات راوی کی نسبت غیر باپ کی طرف ہوتی ہے، جیسے مقداد بن اسود، مقداد کو اسود بن عبد یغوث زہری کی طرف اسلئے منسوب کیا گیا ہے کیونکہ یہ ان

کی زیر کفالت تھا اور انہوں نے اسے متبنیٰ بیٹا بنا رکھا تھا، مقداد کے باپ کا نام عمرو بن ثعلبہ کندی ہے۔

کبھی کبھار نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے، جیسے بلال بن حمامہ، اس کا باپ رباح ہے، اور جیسے اسماعیل بن علیہ، اس کا باپ ابراہیم بن علیہ ہے جو ولاء کی وجہ سے اسدی ہے۔

بعض اوقات نسبت ایسی چیز کی طرف ہوتی ہے جسے ذہن فی البدیہ قبول نہیں کرتا، جیسے خالد الحذاء ، حذاء کا معنیٰ موچی ہے، نسبت کی وجہ یہ ہے کہ خالد موچیوں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔

کبھی کبھی انساب القاب کی صورت میں واقع ہوتے ہیں، جیسے خالد بن مخلد قطوانی کوفی، قطوانی لقب قطوان کی طرف منسوب ہے اور قطوان کا معنیٰ ہے لمبے پاؤں والا آدمی جو قدم ملا کر چلے۔

القاب اور انساب کے اسباب کی معرفت بھی ضروری ہے، کیونکہ بسا اوقات یہ اسباب ظاہر کے خلاف ہوتے ہیں، جیسے معاویہ بن عبدالکریم الضالّ، کیونکہ یہ مکہ مکرمہ کے راستے میں بھول گئے تھے، (الضالّ کا ظاہری معنیٰ ہے گمراہ ہونے والا، لیکن یہاں مراد بھول جانے والا ہے) ، اسی طرح عبداللہ بن محمد الضعیف ، کیونکہ وہ جسمانی طور پر کمزور تھے، (علم مصطلح میں ضعیف کا ظاہری معنیٰ معروف ہے، لیکن یہاں مراد جسمانی کمزوری ہے)

حافظ عبدالغنی بن سعید ازدی نے کہا: (مذکورہ بالا) دو جلیل القدر آدمی ہیں لیکن ان کے القاب قبیح ہیں۔

اسی طرح الحسن بن یزید القوی، کیونکہ یہ عبادت کرنے میں قوی تھے (علم مصطلح میں لفظ ''قوی'' راوی کی توثیق پر دلالت کرتا ہے، جو اس کا ظاہری معنیٰ

ہے) اور ابو مسعود عقبہ بن عمرو البدری کو البدری اسلئے کہا گیا کیونکہ یہ مقامِ بدر کے مقیم تھے، غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے جو اس لفظ کا ظاہری معنی ہے۔

سابقہ بحث کی طرح علماء اور رواۃ میں سے موالی اور موالی میں سے بھائی اور بہنوں کی پہچان بھی ضروری ہے۔

أَنْوَاعُ الْوَلَاءِ

(ولاء کی اقسام)

ولاء کی تین اقسام ہیں (ولاء کا لفظی معنی ہے تعلق، رشتہ داری):

۱-وَلَاءُ الْعَتَاقَةِ (آزادی کی بناء پر تعلق)، ۲-وَلَاءُ الْإِسْلَامِ (قبولیت اسلام کی بناء پر تعلق)، ۳-وَلَاءٌ بِالْحِلْفِ (معاہدے کی بناء پر تعلق)

۱-وَلَاءُ الْعَتَاقَةِ: ولاء میں یہ تعلق سب سے زیادہ ہوتا ہے، اکثر رواۃ اپنے آزاد کنندہ قبیلے کی طرف منسوب کیئے گئے، جیسے اللیث بن سعد مصری فہمی مولی فہم۔

۲-وَلَاءُ الْإِسْلَامِ: جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ اس کے قبیلے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، محمد بن اسماعیل بخاری جعفی، جعفی کی نسبت کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کا دادا مغیرہ، یمان بن اخنس جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا اسلئے اس کی نسبت اس کے قبیلے کی طرف کی گئی۔

۳-وَلَاءٌ بِالْحِلْفِ: حِلف محالفہ سے ہے، یعنی باہمی تائید و نصرت پر ایک دوسرے سے معاہدہ کرنا، جیسے امام مالک بن انس اصبحی تیمی ولاء، ان کی جماعت قریش کے قبیلے تیم کے ساتھ باہمی معاہدہ کرنے کی وجہ سے ان کی موالی بن گئی تھی، اس نسبت (تیمی) کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کے دادے مالک بن ابو عامر، طلحہ بن عبد اللہ تیمی کے مزدور تھے۔

مولی اعلی اور مولی اسفل دونوں کیلئے لفظ "مَوْلٰی" استعمال ہوتا ہے۔

مولی اعلی سے مراد (۱) معتِق (آزاد کرنے والا)، (۲) محالِف (جس سے معاہدہ کیا جائے) اور (۳) وہ آدمی جس کے ہاتھ پر کوئی دوسرا مسلمان ہوا ہو،

اور مولی اسفل سے مراد (۱) معتَق یا عتیق (آزاد کیا ہوا)، (۲) محالِف (معاہدہ کرنے والا) اور (۳) وہ آدمی جو دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہو۔

رواۃ میں سے موالی اور بھائیوں اور بہنوں کی معرفت کے فوائد: اشتباہ میں پڑنے سے اطمینان رہنا، متعدد رواۃ کو ایک گمان کرنے سے محفوظ رہنا، آباء کا ہم نام ہونے کی وجہ سے ان کے بیٹوں کو بھائی سمجھ لینے سے سالم رہنا، جیسے عبد اللہ بن دینار اور عمرو بن دینار، یہ دونوں راوی ایک طبقہ سے ہیں اور بھائی نہیں ہیں (یعنی اس مثال میں دینار ایک شخص کا نام نہیں بلکہ دو اشخاص کا)۔

كِتَابَةُ الْحَدِيْثِ وَعَرْضُه وَأَسْمَاعُه وَالرِّحْلَةُ فِيْ طَلَبِهٖ

(حدیث لکھنا، اس کا موازنہ کرنا، اس کو بیان کرنا اور اس کے حصول کیلئے سفر کرنا)

كِتَابَةُ الْحَدِيْثِ: انتہائی واضح خط سے لکھنا، پیچیدہ الفاظ پر اعراب اور نقطے لگانا اور ممکن ہو تو ساقط حروف کو صفحہ کی دائیں جانب بصورت دیگر بائیں جانب لکھنا کتابت حدیث کہلاتا ہے۔

سِمَاعُ الْحَدِيْثِ: اس سے مراد مشائخ سے احادیث حاصل کرنا ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ شیخ احادیث خود پڑھ رہا ہو یا اس پر پڑھی جا رہی ہوں بہرحال طالب علم سماع کے وقت چوکنا رہے اور کوئی ایسی کلام کرنے یا پڑھنے یا نہ سنی ہوئی چیز لکھنے سے باز رہے جو (سماع میں) خلل ڈالتی ہو۔

عَرْضُ الْحَدِیْثِ: (اس کی تین صورتیں ہیں) (۱) طالب علم کا شیخ کے ساتھ (اس سے سنی ہوئی روایات کا) تقابل کرنا، برابر ہے کہ شیخ اصل سے دیکھے یا اپنے حافظے پر اعتماد کرے، یا (۲) طالب علم کا شیخ کے علاوہ کسی دوسرے ثقہ کے ساتھ تقابل کرنا، یا (۳) طالب علم کا خود شیخ کے اصل نسخے یا اس سے موازنہ کیے گئے؟ فرعی نسخے کے ساتھ تقابل کرنا۔

أُسْمَاعُ الْحَدِیْثِ شیخ کا تلامذہ کو احادیث بیان کرنا، اس کی شرط یہ ہے کہ شیخ بیان کرتے وقت بیدار رہے اور کسی ایسی چیز میں مشغول نہ ہو جائے جو (احادیث بیان کرنے میں) خلل ڈال سکے، نیز اس کی یہ ادائیگی اس کے اصل نسخے یا اس سے تقابل کیے گئے فرعی نسخے سے ہو، اگر شیخ بیان کرنے سے معذور ہو تو اپنی احادیث کو روایت کرنے کی اجازت دے کر اس کمی کو پورا کردے۔ (اجازت کی تفصیل "طرق التحمل وصیغ الأداء" میں دیکھیں)

اَلرِّحْلَةُ فِیْ طَلَبِ الْحَدِیْثِ: اپنے اہل علاقہ محدثین کی احادیث کا احاطہ کرنے کے بعد راوی کا ان متون اور اسانید کے حصول کیلئے اپنے وطن سے رحلت کرنا جو اس کے پاس نہیں ہیں۔

اَلتَّصْنِیْفُ فِی الْحَدِیْثِ

(حدیث تصنیف کرنا)

جو آدمی حدیث کے موضوع پر تصنیف کرنے کی قدرت رکھتا ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس میدان میں سرگرم عمل رہے، تاکہ متفرق احادیث کو جمع کردے، بعید علاقوں میں پائی جانے والی روایات کو قریب کردے، پیچیدہ احادیث کی وضاحت کردے اور مجمل کو بیان کردے۔

اوراس وقت تک اپنی تصنیف کو اپنے کنٹرول میں رکھے جب تک اس کی تہذیب وتنقیح کرکے بار بار اس کا اعادہ نہ کرلے، نیز اپنی تالیف میں ایسا موضوع اختیار کرے جس کی عام ضرورت ہو اور جس کا فائدہ زیادہ ہو۔

أَنْوَاعُ التَّصْنِيفِ

(تصنیف کی اقسام)

۱-اَلْجَوَامِعُ، ۲-اَلْمَسَانِيْدُ، ۳-اَلْمَعَاجِمُ، ۴-اَلْعِلَلُ، ۵-اَلْأَجْزَاءُ، ۶-اَلْأَطْرَافُ، ۷-اَلْمُسْتَدْرَكَاتُ، ۸-اَلْمُسْتَخْرَجَاتُ)

۱-اَلْجَوَامِعُ: جامع ہر وہ کتاب ہے جس میں مندرجہ احادیث عقائد، احکام، رقاق، خورد ونوش، سفر اور قیام وقعود کے آداب، تفسیر، سِیَر (سوانح عمری)، تاریخ، مناقب (عمدہ اخلاق واوصاف)، مثالِب (خامیاں) کے موضوعات پر مشتمل ہوں، جیسے "الجامع الصحیح" جسے امام بخاریؒ نے تصنیف کیا۔

۲-اَلْمَسَانِيْدُ: مسند وہ کتاب ہے جس میں ہر ایک صحابی کی روایات علیحدہ علیحدہ درج کی جاتی ہیں اور احادیث کے صحیح یا حسن ہونے اور باب کی مناسبت وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی جاتی، جیسے مسند امام احمد بن حنبلؒ۔

۳-اَلْمَعَاجِمُ: معجم وہ کتاب ہے جس میں احادیث مشائخ کی ترتیب پر ذکر کی جاتی ہیں، اکثر وبیشتر یہ ترتیب حروف ہجاء کے لحاظ سے ہوتی ہے، جیسے امام طبرانی کی تینوں معاجم۔

۴-اَلْعِلَلُ: یہ وہ کتب ہیں جن میں معلول احادیث جمع کرکے ان کی علل کی وضاحت کی جاتی ہے، امام احمدؒ، امام دار قطنیؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے اس موضوع پر تصنیف کی ہے۔

۵-اَلْأَجْزَاءُ: جزء وہ کتاب ہے جس میں ایک آدمی، وہ صحابی ہو یا بعد والوں میں سے، کی

احادیث یا ایک موضوع سے متعلقہ احادیث جمع کی جاتی ہیں، جیسے امام بخاریؒ کی تصانیف: "جزء رفع الیدین فی الصلاۃ" اور "جزء القراءۃ خلف الأمام"۔

۶-اَلْأَطْرَافُ: امام سیوطی نے تدریب میں کہا: اطراف پر تصنیف کرنے سے مراد یہ ہے کہ متنِ حدیث کا ایک ایسا حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ متن پر دلالت کرے نیز اس حدیث کی اسانید جمع کی دی جائیں، یہ کام تمام کتب حدیث پر محیط بھی ہو سکتا ہے اور بعض کتب کے ساتھ مخصوص بھی، جیسے حافظ ابو الحجاج مزی کی تصنیف "تحفۃ الأشراف بمعرفۃ الأطراف"۔

۷-اَلْمُسْتَدْرَكَاتُ: مستدرک وہ کتاب ہے جس میں کسی کتاب سے رہ جانے والی احادیث اس کتاب کے مصنف کی شروط پر جمع کی جائیں، جیسے ابو عبد اللہ حاکم کی تصنیف "المستدرک علی الصحیحین"

۸-اَلْمُسْتَخْرَجَاتُ: مستخرج وہ کتاب ہے جس میں کسی کتاب کی احادیث اس کے مصنف کے طرق کے علاوہ دوسری صحیح اسانید کے ساتھ جمع کی جائیں اور مستخرِج اس مصنف کے ساتھ اس کے شیخ میں یا اوپر کسی طبقہ میں مل جائے، جیسے ابو نعیم اصبہانی کی تصنیف "المستخرج علی الصحیحن"۔

مستخرِجین نے زیادہ تر مستخرَج کتاب کی حدیث کے متن کی پابندی نہیں کی بلکہ انہوں نے وہ الفاظ روایت کیے جو ان کے مشائخ کے طرق سے منقول کیے گئے، اس بناء پر اصل کتاب اور مستخرَج کتاب کے الفاظ میں کچھ لفظی فرق آ گیا، اس لئے مستخرَج کے الفاظ کو اس وقت تک اصل کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا جب تک متن میں دونوں کتابوں کے اتفاق کا علم نہ ہو۔

آدَابُ الشَّیْخِ وَالطَّالِبِ

(شیخ اور طالب علم کے آداب)

شیخ اور طالبعلم کے آداب کی معرفت بھی ضروری ہے۔

نیت کی درستگی، دنیوی ساز وسامان اور اغراض ومقاصد سے دل کی براءت، اپنے علم پر عمل اور مسلمانوں کی خیر خواہی وہمدردی کے جذبے جیسی صفات میں معلّم اور متعلّم دونوں برابر کے شریک ہیں۔

صرف معلّم کے آداب: جب احادیث بیان کرنے کیلئے مجلس میں حاضر ہو تو حاضرین کی طرف متوجہ ہو، مجلس کا آغاز واختتام اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود وسلام کے ذریعے کرے، اگر کوئی طالبعلم آواز بلند کرے تو اسے آواز پست کرنے کا حکم دے کیونکہ احادیث کی مجلس میں آواز بلند کرنا آپ ﷺ کی مجلس میں آواز بلند کرنے کی طرح ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا، اس مجلس کے دوران کسی کی خاطر کھڑا نہ ہو، کھڑے ہو کر یا جلدی میں یا کسی مجبوری کے بغیر راستے میں احادیث بیان نہ کرے، نیز جب معلّم کو اپنے بڑھاپے یا کسی خوف یا بینائی ختم ہوجانے کی وجہ سے احادیث بھولنے یا خلط ملط ہوجانے کا خدشہ ہو تو احادیث بیان کرنا ترک کردے۔

صرف متعلّم کے آداب: اپنے شیخ کی تعظیم وتکریم کرے کیونکہ یہ چیز علم کی عظمت اور اس سے مستفید ہونے کا سبب ہے، حصولِ علم کیلئے مکمل جدوجہد کرنے میں کوئی تکبر یا حیا اس کیلئے مانع نہ بننے پائے، اگرچہ عمر میں، قدر ومنزلت میں یا نسب میں اپنے سے ادنی سے علم حاصل کرنا پڑ جائے، شیخ کی تند مزاجی پر صبر کرے، علم کی ضبط وتقیید کا اہتمام کرے، ضبط شدہ احادیث کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاکرہ کرے، اہل علم شخصیتوں سے مباحثہ کرے تاکہ اس کے ذہن میں علم کا رسوخ پیدا ہو۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تَذَاكَرُوْا الْحدِيْثَ فَأَنَّ مُذَاكَرَتَه حَيَاتَه"۔ یعنی "احادیث کا آپس میں مذاکرہ کیا کرو کیونکہ یہ احادیث کی زندگی ہے"۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "مُذَاكَرَةُ الْعِلْمِ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ أُحْيَاءِ لَيْلَةٍ" یعنی "کچھ وقت (تقریبا ایک گھنٹہ) علم کا مذاکرہ کرنا پوری رات عبادت کرنے سے بہتر ہے"۔

امام زہریؒ نے کہا: "آفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَقِلَّةُ الْمُذَاكَرَةِ" ۔یعنی "بھولنا اور قلتِ مذاکرہ علم کی آفات ہیں"۔

(بقیہ آداب:) طالبعلم احادیث کو درجہ بہ درجہ اور رفتہ رفتہ یاد کرے، صحیح بخاری میں ہے کہ "خُذُوْا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَه" یعنی "حسبِ استطاعت عمل کرو"۔

عبادات اور آداب پر مشتمل سماعت کردہ احادیث پر عمل کرے، یہی عمل احادیث کا جوہر اور ان کو حفظ کرنے کا سبب ہے۔

امام وکیعؒ نے کہا: "أذَا أرَدْتَ أَنْ تَحْفَظَ الْحَدِيْثَ فَاعْمَلْ بِهٖ"۔ یعنی "اگر آپ احادیث حفظ کرنا چاہتے ہیں تو ان پر عمل کریں"۔

امام احمدؒ نے کہا: "مَا كَتَبْتُ حَدِيْثًا اَلَّا وَقَدْ عَمِلْتُ بِهٖ حَتّٰى مَرَّ بِيْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِحْتَجَمَ وَأَعْطٰى أَبَا طَيْبَةَ دِيْنَارًا، فَاحْتَجَمْتُ وَأَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ دِيْنَارًا" ۔یعنی "ہر حدیث لکھنے کے بعد میں اس پر عمل کرتا تھا، ایک دن یہ حدیث میرے مطالعے میں آئی کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے اور (پچھنے لگانے والے) ابوطیبہ کو ایک دینار (بطورِ اجرت) دیا، تو میں نے بھی سنگی لگوائی اور حجام کو ایک دینار دیا"۔

حدیث کی معرفت اور اس کا فہم وادراک کیے بغیر صرف اس کے سننے اور لکھنے پر اکتفاء نہ کرے، احادیث کے مجموعوں میں صحیحین کو مقدم کرے، پھر بالترتیب

سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، امام بیہقیؒ کی سنن کبری کو مدنظر رکھے، بعدازاں مسند احمد بن حنبل جیسی مسانید، جوامع اور حدیث کے موضوع پر لکھی گئی بقیہ تمام تصنیفات میں سے ضروری کتب کا مطالعہ کرے، نیز درج ذیل کتب سے بھی مستفید ہوتا رہے:

علل میں سے امام احمدؒ، امام دارقطنیؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ کی تصنیفات،

اسماء الرجال میں سے امام بخاریؒ کی التاریخ الکبیر اور ابن ابی خیثمہ کی تاریخ،

ضبط الاسماء میں ابن ماکولا کی تصنیف ''الاکمال'' اور غریب الفاظ کی شروحات میں سے ابن اثیر کی ''النھایۃ''

ہر کتاب میں پختگی، مہارت اور حذاقت طالبعلم کا شعار ہو۔

خَاتِمَةٌ فِیْ أَنَّ السُّنَّةَ حُجَّةٌ عَلٰی جَمِیْعِ الْأُمَّةِ

(کتاب کا خاتمہ: نبی کریم ﷺ کی سنت پوری امت پر حجت ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (سورہ حشر ۵۹: ۷)

یعنی ''اور تمہیں جو کچھ رسول دے دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ''۔

اللہ جلیل نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ﴾ (سورہ آل عمران ۳: ۳۱)

یعنی ''کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا''۔

اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ

فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيمًا ☆﴾ (سورہ نساء ۴: ۶۵)

یعنی ''تیرے پروردگار کی قسم ہے! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک وہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ (ﷺ) کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں تو وہ اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کریں۔

اللہ کریم نے فرمایا: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (سورہ نساء ۴: ۵۹)

یعنی ''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرنے لگو تو (اس کا فیصلہ کرنے کیلئے) اسے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ تعالی پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو''۔

اللہ سبحانہ نے فرمایا: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ☆﴾ (سورہ نور ۲۴: ۶۳)

یعنی ''پس جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ (اس مخالفت کی وجہ سے) کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں کہیں دردناک عذاب میں مبتلا نہ کر دیا جائے''۔

اس موضوع پر بیشمار آیات ہیں۔

ائمہ اربعہ اور تمام ربانی علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی سنت اس سے بلند و بالا اور عظیم ہے کہ اس پر کسی کے قول کو مقدم کیا جائے، قائل جو بھی ہو۔

سنت پر عمل کرنا بھی سنت کی تعظیم و تکریم ہے۔

ابن عابدینؒ نے ''شرح المنظومة''، جس کا نام ''عقود رسم

المفتی" ہے، میں کہا: امام ابوحنیفہؒ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے کہا: "أذا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ"۔ یعنی "جب بھی کوئی حدیث سنداً صحیح ثابت ہو جائے گی تو وہی میرا مذہب ہوگی"۔

امام ابن عبدالبرؒ وغیرہ نے بھی امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ سے ایسے اقوال نقل کیے ہیں۔

امام مالکؒ نے فرمایا: "مَا مِنْ أَحَدٍ الَّا وَهُوَ مَأْخُوْذٌ مِّنْ كَلَامِهٖ وَمَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ الَّا قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"۔ یعنی "ہر انسان کی کلام مقبول بھی ہوسکتی ہے اور مردود بھی، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بات (ہر صورت میں مقبول ہوگی)"۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: "أذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ" یعنی "جب بھی کوئی حدیث سنداً صحیح ثابت ہو جائے گی تو وہی میرا مذہب ہوگی"۔

نیز فرمایا: "لَوْ رَأَيْتُمْ كَلَامِيْ يُخَالِفُ الْحَدِيْثَ فَاعْمَلُوْا بِالْحَدِيْثِ وَاضْرِبُوْا بِكَلَامِيْ الْحَائِطَ"۔ یعنی "جب تم میری بات کو حدیث کے مخالف پاؤ تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دیوار پر دے مارو"۔

مزید فرمایا: "أجمع المسلمون على أن من استبانت له سنة رسول الله ﷺ لم يحل له أن يدعها لقول أحد"۔ یعنی "مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ثابت ہو جانے کے بعد کسی کیلیے حلال نہیں کہ وہ اسے کسی کے قول کی بناء پر ترک کردے"۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا: "لَا تُقَلِّدْنِيْ وَلَا تُقَلِّدَنَّ مَالِكًا وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ وَلَا النَّخْعِيَّ وَلَا غَيْرَهُمْ وَخُذِ الْأَحْكَامَ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوْا: مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ"۔ یعنی "نہ آپ میری تقلید کریں اور نہ امام مالک، امام اوزاعی، امام نخعی وغیرہ کی، بلکہ احکام کا استنباط وہاں سے کریں جہاں سے

انہوں نے کیا یعنی کتاب وسنت سے"۔

امام ولی اللہ دہلوی نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں کہا: تحقیق وجستجو سے معلوم ہوا ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک کسی خاص امام کا مذہب اپنانے، اس کی فقہ حاصل کرنے یا اس کے قول کو نقل کرنے کی صورت میں ٹھوس تقلید نہیں تھی، پچھلی صدیوں میں لوگ دائیں بائیں بھٹکنے لگے اور چیونٹیوں کے رینگنے کی طرح تقلید چپکے سے ان کے سینوں میں سرایت کر گئی اور انہیں شعور تک نہ ہوا۔

نیز شاہ ولی اللہ نے شیخ عز الدین بن عبد السلامؒ سے نقل کرتے ہوئے کہا: ان مقلد فقہاء پر بڑا تعجب ہے جو اپنے امام کے ضعیف ماخذ کا دفاع نہ کر سکنے کے باوجود اس کی اندھی تقلید کرنے پر ڈٹے رہتے ہیں اور اس امام سے بے رخی کرتے ہیں کہ قرآن وسنت اور صحیح قیاس جس کی تائید کر رہے ہوتے ہیں، بلکہ اپنے امام کی طرفداری کرنے کیلئے کتاب وسنت کے ظاہری مفاہیم کو رد کرنے کیلئے حیلے تراشتے ہیں اور باطل تاویلیں کرتے ہیں۔

مزید عز الدینؒ نے کہا: کسی مذہب کی تعیین کئے بغیر لوگ جس عالم سے چاہتے مسائل دریافت کرتے تھے اور کسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ مخصوص مذاہب اور ان متعصب مقلدین نے جنم لیا جنہوں نے اپنے اپنے ائمہ کے غیر شرعی مؤقف کی بھی ایسے انداز میں تقلید شروع کر دی گویا کہ وہ ان کے نبی ہیں، حقیقت میں یہ حق سے دوری اور راہ راست سے بھٹکنا ہے اور کوئی عقلمند ایسی تقلید پر راضی نہیں ہوتا۔

امام ابن قیمؒ نے "أعلام الموقعین" میں کہا: ہم اکثر لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جب کوئی حدیث ان کے امام کے مسلک کی موافقت کر رہی ہو اور اس حدیث کے راوی کا مؤقف اس کے مخالف ہو تو وہ یہ قاعدہ پیش کرتے ہیں کہ "راوی کی روایت

حجت ہوتی ہے نہ کہ اس کی اپنی رائے"، لیکن جب راوی کی رائے کو اپنے امام کے موقف کے موافق اور اس کی حدیث کو اس کے موقف کے مخالف پاتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ "راوی نے اپنی حدیث کے کسی صحیح ناسخ کے ثبوت کی بناء پر اپنی حدیث کی مخالفت کی ہوگی، اگر ایسے تسلیم نہ کریں تو راوی کی عدالت میں جرح لازم آتی ہے (کہ اس نے اپنی ہی حدیث کی مخالفت کی)۔

کبھی پہلا قاعدہ استعمال کرتے ہیں اور کبھی دوسرا، بلکہ ایک ہی باب میں اس تناقض کا معائنہ کیا گیا ہے، جو قبیح ترین تناقض ہے۔

ہم اللہ کیلئے جو مذہب اختیار کرتے ہیں، جس کے علاوہ اور کوئی مذہب جائز نہیں، وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور کوئی دوسری حدیث اس کے معارض یا اس کیلئے ناسخ نہ ہو تو ہم پر اور پوری امت پر فرض ہے کہ اس حدیث کو اپنائیں اور اس کی مخالف ہر چیز کو ترک کر دیں۔

کسی آدمی کی مخالفت کی بناء پر ہم حدیث کو نہیں چھوڑیں گے، وہ آدمی اس حدیث کا راوی ہو یا کوئی اور، کیونکہ ممکن ہے کہ راوی فتویٰ دیتے وقت حدیث بھول جائے یا اس مسئلہ پر حدیث کی دلالت کو نہ سمجھ سکے یا وہ اس کی کوئی مرجوح تاویل کر لے یا اس کے گمان کے مطابق اس کی کوئی ایسی معارض حدیث ہو جو فی الحقیقت معارض نہ ہو یا وہ فتویٰ دینے میں کسی ایسے عالم کی تقلید کر رہا ہو جسے وہ اپنے سے زیادہ علم والا سمجھتا ہو اور اس کا یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث اپنے سے قوی دوسری حدیث کی مخالف ہے۔

اگر ان تمام احتمالات کی نفی کر دی جائے، تو یہ کہا جائے گا کہ راوی معصوم نہیں، اگرچہ ان احتمالات کی نفی کا علم ہونا بلکہ گمان ہونا بھی ممکن نہیں۔

سعدی کی "قاموس الشریعۃ" میں ہے: جب صحابی کوئی حدیث رسول

اللہ ﷺ تک مرفوعاً بیان کر دے اور اس کا علم اس شخص کو ہو جائے جس پر شرعی احکام لاگو ہو سکتے ہوں تو اس پر واجب ہے کہ اس حدیث پر عمل کرے، ہاں اگر بعد میں اسے کوئی ایسی حدیث مل جاتی ہے جو پہلی حدیث کی ناسخ ہو تو دوسری حدیث پر عمل کرے اور پہلی حدیث سے رجوع کر لے۔

شیخ صلاح فلانی مدنیؒ نے اپنی کتاب "ایقاظ الھمم" میں کہا: آپ دیکھیں گے کہ بعض لوگ جب کوئی حدیث اپنے مذہب کے موافق پاتے ہیں تو وہ اس پر اتراتے ہیں، اس کے تابع ہو جاتے ہیں اور سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، لیکن جب ان کے مطالعہ میں کوئی ایسی حدیث آ جاتی ہے، جو کسی صحیح حدیث کی معارضت اور نسخ سے محفوظ ہوتی ہے، لیکن کسی دوسرے امام کے مذہب کی تائید کر رہی ہوتی ہے، تو وہ بعید احتمالات کا دروازہ کھول کر پہلو تہی اختیار کرتے ہیں اور اپنے امام کے مذہب کے حق میں ترجیح کی وجوہات تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ مذہب صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور صریح نص کے مخالف ہوتا ہے۔

جب ایسی صفات سے متصف انسان کسی کتاب کی شرح لکھتا ہے تو اپنے مذہب کے مخالف احادیث کی تحریف کرتا ہے، اگر ایسا نہ کر سکے تو بغیر دلیل کے ان کے منسوخ ہونے کا یا کسی کا خاصہ ہونے کا یا ان کا غیر معمول بہ ہونے کا دعویٰ کر دیتا ہے یا جو کچھ بیمار متعصب ذہن میں آتا ہے کہہ دیتا ہے۔

اگر کوئی تیر نہ چل سکے تو یہ دعویٰ کر دیتا ہے کہ میرے امام صاحب تمام یا اکثر روایات پر مطلع تھے، لہٰذا انہوں نے اس حدیث کو ترک نہیں کیا ہوگا مگر ان کی عظیم الشان رائے کے مطابق اس حدیث میں کوئی طعن ہوگا۔ اس طرح اپنے مذہب کے علماء کو رب قرار دیتے ہیں، ان کے مناقب اور کرامتیں بیان کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کی مخالفت کرنے والا درست منہج پر نہیں۔

٭ اگر کوئی اہل سنت عالم ایسے متعصب مقلد کی خیر خواہی کرے تو یہ اسے اپنا دشمن تصور کرتا ہے، اگرچہ وہ اس نصیحت سے پہلے اس کا دوست ہو۔

اگر اسے اپنے مذہب کی کوئی ایسی مشہور کتاب مل جائے تو جو اس کی خیر خواہی، رائے اور تقلید کی مذمت پر مشتمل ہو اور احادیث کی پیروی پر ابھارے تو یہ ایسی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے، اس کے حکم اور نہی کی کوئی پروا نہیں کرتا اور اس کو بالکل ترک کر دیتا ہے۔

شیخ فلانی نے اپنے شیخ محمد حیات سندیؒ سے نقل کرتے ہوئے کہا: یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ علماء کی اصطلاح کے مطابق تمام صحابہؓ مجتہد نہ تھے، بعض شہری تھے اور بعض دیہاتی اور کئی صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ سے صرف ایک حدیث سنی تھی یا آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک مجلس طے کی، لیکن بلاشبہ نبی کریم ﷺ سے یا صحابہؓ سے صرف ایک حدیث سننے والا صحابیؓ، وہ مجتہد ہوتا یا غیر مجتہد، بھی اپنی سمجھ کے مطابق اس حدیث پر عمل کرتا تھا، اور نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی گئی کہ غیر مجتہد صحابیؓ نے سماعت شدہ احادیث کے متعلق کسی مجتہد صحابی کی طرف رجوع کیا ہو۔

ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی تقریری حدیث کے مطابق غیر مجتہد صحابیؓ کیلئے حدیث پر عمل کرنا جائز قرار دیا گیا، صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

اگر عمل کرنے کی یہ رخصت نہ ہوتی تو خلفاء راشدین غیر مجتہد دیہاتیوں کو حکم دیتے کہ انہیں نبی کریم ﷺ کی جو حدیث براہ راست یا بالواسطہ پہنچے، وہ عمل کرنے سے پہلے اسے مجتہدین پر پیش کریں، لیکن ایسی بات کا نہ کوئی وجود ہے اور نہ کوئی نشان۔

اللہ تعالی کے اس فرمان کا بھی یہی معنی ہے: ﴿وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (سورہ حشر ۵۹ : ۷)

یعنی ''اور تمہیں جو کچھ رسول دے دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ''۔

شیخ فلانی ؒ نے ''الایقاظ'' میں کہا: ہمارے اساتذہ کے شیخ محقق ابوالحسن ؒ سندی نے فتح القدیر پر اپنے حاشیے میں کہا: عام آدمی کے حق میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی معین مذہب کا پابند رہے گا کیونکہ وہ اس سے زیادہ درست اور بہتر بات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا، بلکہ اس پر واجب ہے کہ جس عالمِ دین کو وہ معتبر سمجھتا ہے اس کے اقوال پر عمل کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فاسألوا أهل الذكر أن كنتم لا تعلمون ☆ ﴾ (سورہ انبیاء: ۷) یعنی ''اگر تمہیں علم نہیں تو اہل ذکر (اہل علم) سے سوال کرلو''۔

''بحر الرائق'' میں کہا: عام آدمی کسی مجتہد کی تقلید کرسکتا ہے، لیکن عصر حاضر کی طرح اگر مذاہب مدوّن ہو جائیں تو آدمی کو اپنا مذہب چھوڑ کر کسی دوسرے امام کا مسلک اپنانا چاہیئے۔

شیخ محمد حیات سندی نے کہا: اسی مذکورہ بات پر کتاب وسنت اور سلف وخلف کے جید علماء کے اقوال دلالت کرتے ہیں، اور اس سے مخالف قول کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہر وہ قول جو کتاب وسنت اور دین کے قائدین علماء کے اقوال سے مخالف ہوگا وہ مردود ہوگا۔

میرے خیال کے مطابق ایسے قول کا قائل علم سے محروم اور سخت متعصب ہے، بس اللہ تعالیٰ ہی اس چیز کی توفیق دیتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے اور جس سے راضی ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قول کی موجودگی میں کسی کے قول کی کوئی اہمیت نہیں، وہ جو بھی ہو، جونسا ہو اور جس سے ہو۔

جب اللہ تعالیٰ کی ندی بہہ پڑتی ہے تو عقل کی نہر باطل ہو جاتی ہے۔

اس طرح ہمارے ارادے کی تکمیل ہوئی، اور ہم آخر میں کہتے ہیں:

اے اللہ! تو ہمیں حق راستہ دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور ہمیں باطل راست دکھا اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول محمد پر، ان کی آل اور ان کے صحابہ پر درود بھیج اور بہت ساری سلامتیاں نازل فرما۔

﴿لا یستطاع العلم براحۃ الجسد﴾

ایک حدیث کے لئے مہینے بھر کا سفر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کے بعد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ عجیب وغریب ایمان فروز واقعہ۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الادب المفرد" باب المعانقہ میں حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ کی روایت سے بیان کیا ہے، اور اس میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبدؓ اللہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

"مجھے کسی نے بتایا کہ فلاں مقام پر ایک صحابی رسول کو ایک حدیث معلوم ہے جسے انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، وہ کہتے ہیں: یہ سُنکر میں نے ایک اونٹ خریدا سامانِ سفر کی تیاری کی اور ایک مہینہ مسلسل سفر کرتا ہوا ملک شام پہنچا وہاں معلوم ہوا کہ وہ صحابی رسول عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہیں میں ان کے مکان پر پہنچا اور دربان سے یہ کہا: اندر جا کر کہو، دروازے پر جابر کھڑا ہے!!! اس نے کہا حضرت عبداللہ کے صاحبزادے؟...... میں نے کہا: جی...... حضرت عبداللہ بن انیس خبر ملتے ہی باہر تشریف لائے اور مجھے گلے سے لگا لیا میں نے کہا: سنا ہے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے مجھے ڈر لگا کہ کہیں میں یا خدانخواستہ آپ اس دنیا سے چلے گئے تو میں اس حدیث کو سننے سے رہ جاؤں گا۔ (الادب المفرد، ص ۲۵۲)

ابوحاتم رازی کا سات سالہ پیدل سفر:

حافظِ حدیث امام ابن ابی حاتم رازیؒ اپنی تصنیف ''تقدمۃ الجرح والتعدیل میں اپنے والدِ ماجد ابو حاتم محمد بن ادریس رازیؒ (پیدائش ۲۴۰ھ وفات: ۳۲۷ھ) کے سفر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''میں نے ابا جان کو یہ فرماتے ہوئے

سنا کہ: میں طلب حدیث میں سب سے پہلے باہر نکلا تو سفر کرتے کرتے سات سال کا عرصہ ہو گیا تھا میں نے ان پیروں سے جو مسافت طے کی ہے وہ ہزار فرسخ (پانچ ہزار کلومیٹر) سے زیادہ ہے میں ہزار فرسخ (پانچ ہزار کلومیٹر) تک تو گنتا رہا لیکن جب مسافت اس سے بھی بڑھ گئی تو پھر گننا چھوڑ دیا۔

(الجرح وتعدیل، ۳۵۸/۱: السیر ۲۵۵/۱۳)

ایک کتاب کی خاطر ۷۰ دن کا سفر:

حافظ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ: دو (معتبر وثقہ) راویوں نے ابن مقری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

''مجھے مُفَضَّل بن فضالہ مصری کی ایک کتاب نقل کرنے کے لئے ستر دن کا سفر کرنا پڑا اور اگر وہ کتاب کسی نان بائی کو دیکر ایک روٹی لینا چاہیں تو شاید وہ اس پر تیار نہ ہو''۔

وہ فرماتے ہیں: ''میں بیت المقدس دس مرتبہ پیدل گیا ہوں'' (یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ ان کا ملک اصبہان ہے

اور وہاں سے بیت المقدس نہایت دور دراز اور طویل مسافت پر واقع ہے۔ (التذکرہ ۱۷۳/۳)

احمد نجاد کا اظہارِ پریشانی

خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ شیخ احمد سلمان نجاد کی یہ روایت نقل

کرتے ہیں کہ

احمد بن سلمان نجاد قطیعی کہتے ہیں: ایک دفعہ میں سخت غربت و افلاس کا شکار ہو گیا: میں ابراہیم حربی کے پاس پہنچا اور انہیں اپنی حالتِ زار سنائی کہنے لگے: اپنا دل چھوٹا نہ کرو اور گھبراؤ مت، خدا کی مدد بس آنا ہی چاہتی ہے۔

واقعہ ابراہیم حربی:

ان میں سے واقعہ ابراہیمی حربی کا ہے

خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں اور شمس الدین نابلسی ''مختصر طبقات الحنابلہ'' میں ابراہیم بن اسحاق حربی (پیدائش ۱۹۸ھ) م ۲۸۵ھ تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ''آپ اپنے وقت کے امام اور علم وزہد، فقہ وحدیث اور ادب وزبان کے مینارہ نور تھے''

خطیب بغدادی کی روایت ہے کہ

''ابراہیم حربی کہتے تھے: میں نے اپنی عمر کے تیس سال روزانہ دو روٹیاں کھا کر گزارے ہیں اگر ہو لیکر میری ماں یا بہن آجاتیں تو کھالیتا ورنہ اگلے روز تک بھوکا رہتا پھر تیس سال ایسے گزارے کہ روزانہ صرف ایک ہی روٹی ملتی وہ بھی اگر بیوی یا میری کوئی بیٹی لیکر آجاتی تو کھالیتا ورنہ اگلے روز تک یوں ہی بھوکا رہتا اور اب آدھی روٹی ۱۴ کھجوروں کے ساتھ لیتا ہوں بشرطیکہ وہ عمدہ اور اچھی ہوں، اور اگر ردی ہوئیں تو پھر ۲۰ سے کچھ زیادہ لینے کا معمول ہے۔'' (تاریخ بغداد)

امام عفان بن مسلمؒ آزمائش کی بھٹی میں:

حافظ ابن جوزیؒ نے اپنی تصنیف ''مناقب الامام احمد بن حنبل'' میں ایک عنوان باندھا ہے جس میں ان علماء ربانیین کا تذکرہ جنہوں نے مسئلہ ''خلقِ

قرآن" کی آزمائش میں حکومت وقت کے منشا کے مطابق جواب دینے سے صاف انکار کر دیا تھا ان باصفاو باہمت حضرات میں "استاذِ بخاری کا ذکر خیر بھی موجود ہے ابن جوزی نے لکھا ہے کہ "عفان بن مسلم" آزمائش میں مبتلا ہونے والے سب سے پہلے شخص ہیں موصوف نے اپنی سند کے ساتھ اسم بن ابی صالح کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے ابراہیم بن حسین کو یہ فرماتے سنا:

"جب عفان بن مسلم کو آزمائش کے لئے بلایا گیا تو میں ان کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھا جب وہ دربار میں پہنچے تو ان سے کہا گیا کہ آپ بھی یہ کہیں کہ "قرآن مخلوق ہے" انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا، اس پر ان سے کہا گیا کہ "تمہارا وظیفہ آج سے بند کیا جاتا ہے"...... (انہیں ہر ماہ ہزار درہم وظیفہ ملتا)...... انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

"وَ فِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ"

(اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے)

جب وہ اپنے مکان واپس تشریف لائے تو ان کے گھر کی عورتوں نے اور جو لوگ وہاں موجود تھے (جن کی تعداد تقریباً ۴۰ تھی) ان سب نے آپ کو یہ موقف اختیار کرنے پر سخت ملامت کی۔

غیبی امداد:

راوی کا کہنا ہے: ابھی تھوڑی ہی دیر گزر تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا دروازہ کھولا تو باہر ایک آدمی عفان بن مُسلم سے ملنا چاہتا تھا میں اسے پہلی نظر میں کوئی روغن فروش سمجھا......"

القصہ کہ وہ آپ کے پاس ایا اور ایک تھیلی جس میں ایک ہزار درہم تھے آپ کی طرف بڑھائی اور یوں کہا۔

”ابوعثمان جس طرح تم نے آج دین کی حفاظت کی ہے خدا تمہاری بھی حفاظت فرمائے اور تمہیں ثابت قدم رکھے پھر تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوں کہا) یہ آپ کی خدمت میں نذر ہیں اور ہر ماہ اسی طرح پہنچتے رہیں گے۔“
(تاریخ بغداد: ۱۲/۲۷۱: التذکرہ ۱/۲۹۱: سیر ۱۰/۲۴۵)

نواب صدیق حسن کا ذوق:

(۱) ایک عالم کو کتب سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی نواب صاحب لکھتے ہیں کہ اس سفر حج میں آتے جاتے اور اقامت کے وقت مطالعہ ونقل کتب کا مشغلہ جاری رہا روانگی کے وقت جہاز میں کتاب الصارم المنکی اپنے ہاتھ سے لکھی پھر حدیدہ پہنچ کر جب اٹھارہ دن کا مقام ہوا تو سید اسمٰعیل یمانی وغیرہ کے پچیس رسائل اپنے ہاتھ سے نقل کیے منٰی وعرفات میں فرصت کے اوقات میں کتابت کی واپسی کے وقت جہاز میں سنن دارمی لکھی یہ نسخہ شاہ ولی اللہ کا تھا اور نفیس کتابیں خریدیں۔ (نواب ص ۱۲۶: ۱۲۷)

(۲) نواب صاحب اپنے دورِ حکومت میں جب کبھی کسی گاؤں کا دورہ کرتے تو مونا پالکی پر کرتے تھے اور پالکی میں قلم دوات اور کاغذ کتابیں ساتھ تھے حتی الامکان وقت ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ دوران سفر بھی مطالعہ کتب کرتے اور ضروری مضامین نوٹ کرتے رہتے۔

صاحب نزھۃ الخواطر تحریر کرتے ہیں کہ کان سریع حلو الخط یکتب کراستین فی مجلس واحد بخط خفی فی ورق عالٍ۔

ماثر صدیقی کے مولف لکھتے ہیں کہ اس وقت بھی ایسے لوگ ریاست میں کثرت سے موجود ہیں جنہوں نے والد جاہ کی روزانہ غایت معروفیت وانہماک کو تالیف وتصنیف میں ان کی جودت تحریر اور سریع السیر قلم کی گردش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (نواب صدیق حسن: ۳۳۸۔ ماثر صدیقی ۴/۸۰)

ابن خاصبہ کی غربت اور مشغلہ کتابت:

جس سال بغداد میں سیلاب آیا اور پورا شہر غرقاب ہو گیا تو میرا مکان گر پڑا، اور اس میں میرے کپڑے سامان اور (ہزاروں) کتابیں دب گئیں اور میرے پاس کچھ نہ رہا، میری کفالت میں والدہ بیوی اور بچیاں تھیں، میں اس زمانہ میں ہاتھ سے کتابیں لکھ لکھ کر گزران کا بندوبست کرتا، مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے اس سال مسلم شریف (کی دو ضخیم جلدوں) کو سات مرتبہ لکھا ہے۔

مولانا اسمٰعیل سلفیؒ:

وہ اپنے زمانے کے دینی سیاسی لحاظ سے قد آور تھے مولانا عبدالشکور اثری نے بیان کیا کہ مولانا دوران سفر اپنے پاس ایک تھیلا جس میں کتاب ہوتی تھی یونہی موقع ملتا مطالعہ میں فتح بن قاخان کی طرح مصروف ہو جاتے۔

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ:

مولانا نے ایک موقع پر راقم کو بیان کیا کہ جو انسان وقت کی قدر نہیں کرتا اور کپڑوں کے چکر میں پڑ جاتا ہے وہ ہمیشہ علم کی دولت سے محروم رہتا ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری:

مولانا نے ایک موقع پر کہا کہ میں جوانی کے ایام میں فیصل آباد سے لاہور جاتا اور مولانا عطاء اللہ کے کتب خانہ میں جمعرات اور جمعہ کا پورا دن اور رات مطالعہ میں مصروف رہتا۔

(محمد اشرف جاوید)

مطبوعاتِ مکتبہ محمدیہ

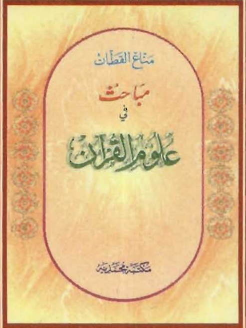

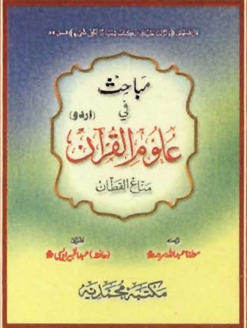

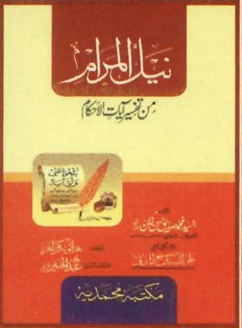

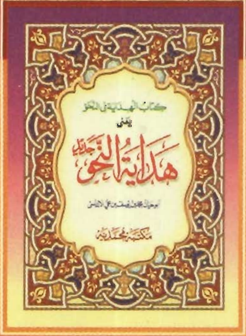

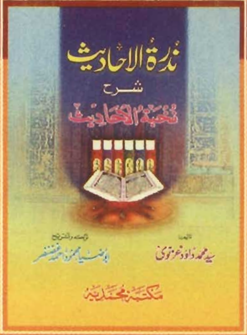

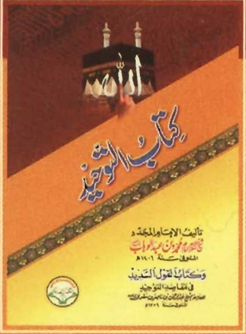

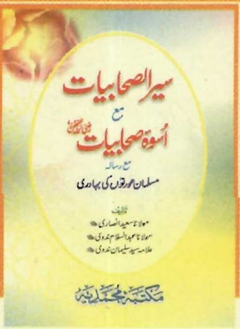

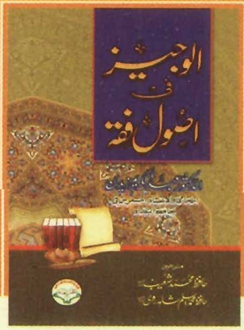

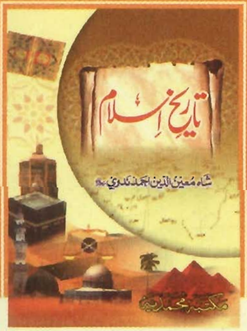

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

MOb:0300- 4826023,042-37114650

E:mail;maktabah_muhammadia@yahoo.com

&maktabah_m@hotmail.com